احوال و آثار
لعل شہباز قلندرؒ



مرتب

ڈاکٹر نواز علی شوق

محکمہ ثقافت، حکومت سندھ

احوال و آثار لعل شہباز قلندرؒ

احوال و آثار
لعل شہباز قلندرؒ

مرتب

ڈاکٹر نواز علی شوق

محکمہ ثقافت، حکومت سندھ

کتاب	:	احوال وآثار لعل شہباز قلندرؒ
مرتب	:	ڈاکٹر نواز علی شوق
اشاعت	:	جون2014 ع
کمپوزنگ	:	پیار گرافکس اینڈ پرنٹنگ
ٹائیٹل	:	کپتان ابڑو
مطبع	:	کاچھو پبلیکیشنز، کراچی 0300-2879794
ناشر	:	محکمہ ثقافت، حکومت سندھ

ھدیہ: 130 روپے

فہرست

پبلشر نوٹ

حضرت لعل شہباز قلندرؒ ساری زندگی مجرد رہے اور قلندرانہ زندگی گذاری۔ انہیں سیر و سفر سے شفق تھا۔ اسی لئے سیر و سفر کرتے رہے۔ جب بہت بوڑھے ہوگئے تو سہون شریف میں آکر قیام کیا۔ 18 شعبان 650ھ میں وفات پائی ہوئے۔ ان کے مزار پر ہر سال تین دن میلہ لگتا ہے اور اس موقعہ پر دور دور سے مختلف زبانیں بولنے والے اور مختلف مسلک سے تعلق رکھنے والے ہندو خواہ مسلمان لاکھوں کی تعداد میں جمع ہوتے ہیں اور لعل شہبازؒ کے مزار کی زیارت کر کے قلبی اور روحانی سکون حاصل کرتے ہیں۔

سندھ کے محکمہ ثقافت کی طرف سے اس موقعہ پر ادبی کانفرنس منعقد ہوتی ہے۔ جس میں پاکستان کے چاروں صوبوں خیبر پختون خواہ، پنجاب، بلوچستان اور سندھ کے مشہور محقق لعل شہبازؒ کی سوانح اور فکر پر اپنے مقالے پڑھتے ہیں۔ اور وہ مقالے بعد میں کتابی صورت مین بھی شایع ہوتے ہیں۔

محکمہ ثقافت کی طرف سے لعل شہباز قلندرؒ کے متعلق اس وقت تک بہت ساری کتابیں شایع ہوچکی ہیں اس سال بھی تین کتابیں شایع ہورہی ہیں۔

لعل شہباز کے متعلق پاکستان کے مختلف پبلشرز نے کچھ کتابیں شایع کی ہیں۔ لیکن یہ اعزاز حکومت سندھ کے محکمہ ثقافت کو حاصل ہے کہ انہوں نے حضرت لعل شہباز قلندرؒ پر سب سے زیادہ کتابیں شایع کی ہیں۔

ڈاکٹر نواز علی شوق سندھ کے معروف ادیب ہیں۔ جنہوں نے ہماری گذارش پر یہ کتاب تیار کی ہے۔ جس کے لئے ہم ان کے شکر گذار ہیں۔

منظور احمد قناصرو

ڈائریکٹر جنرل

محکمہ ثقافت، حکومت سندھ

حرف اول

یہ ایک حقیقت ہے کہ صوفی بزرگ حضرت لعل شہباز قلندرؒ کی شخصیت اور ان کی فکر پر بہت کم مواد ملتا ہے۔ حکومت سندھ کے محکمۂ ثقافت نے سندھی زبان میں کچھ کتابیں ضرور شایع کی ہیں، لیکن اردو زبان میں بہت کم کتابیں شایع ہوئی ہیں، جو شایع ہوئی ہیں وہ اعلیٰ معیار کی نہیں ہیں۔

اس کمی کو پورا کرنے کے لئے یہ کتاب مرتب کی گئی ہے۔ جو چند مقالات پر مشتمل ہے۔ زیادہ تر مواد سید رئیس احمد جعفری کی کتاب "انوار اولیاء" مطبوعہ 1950ء اور قاری احمد کی کتاب "سوانح حیات حضرت لعل شہباز قلندرؒ" مطبوعہ 1970ء سے لیا گیا ہے۔ انوار اولیاء سے لعل شہباز قلندرؒ کے ہمسفر اور ساتھی بہاء الدین زکریاؒ، بابا فریدؒ کا احوال اخذ کیا ہے۔ ان کے تیسرے ہم سفر سید جلال سرخ بخاریؒ کے متعلق ایک غیر مطبوعہ مقالہ شامل کیا ہے جو میری گذارش پر شعبۂ اردو، جامعہ کراچی کی پروفیسر ڈاکٹر تنظیم الفردوس نے تحریر کیا ہے۔ لعل شہباز کے ایک مخلص دوست بو علی شاہ قلندرؒ کا احوال بھی "انوار اولیاء" سے ماخوذ ہے، جن کی ملاقات کے لئے لعل شہباز قلندرؒ پانی پت گئے تھے اور ان ہی کے مشورے سے پہلے ملتان گئے پھر بعد میں سندھ میں آکر سندھ کے قدیم شہر سہون شریف میں قیام پذیر ہوئے۔

امید ہے یہ کتاب اہل علم، خاص طور لعل شہباز قلندرؒ کے عقیدت مندوں کے لئے ایک علمی وادبی تحفہ ثابت ہوگی۔

ڈاکٹر نواز علی شوق

اعجاز الحق قدوسی

عثمان مروندی معروف بہ

حضرت مخدوم لعل شہباز قلندر سیوستانی

نام ونسب:

اسم گرامی عثمان تھا۔ لیکن عام طور پر لعل شہباز قلندر کے لقب سے مشہور ہیں۔ یہ لقب آپ کو آپ کے مرشد نے دیا تھا۔ آپ کے والدِ ماجد کا نام سّید کبیر ہے، آپ حضرت امام محمد جعفر صادقؓ کی اولاد سے ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے۔

حضرت عثمان مروندی بن سید کبیر بن سید شمس الدین بن سید نور شاہ بن سید محمود شاہ بن سید احمد شاہ بن سید ہادی بن سید مہدی بن سید منتخب بن سید غالب بن سید منصور بن سید اسماعیل بن امام محمّد بن جعفر صادق علیہ السّلام۔(1)

وطن:

حضرت لعل شہباز کے آبا و اجداد کا وطن مروند تھا۔ جس کو مہمند بھی کہتے ہیں یہ مقام ہرات کے قریب افغانستان میں واقع ہے۔(2)

ولادت:

مخدوم شہباز قلّندر 573ھ مطابق 1177ء مروند میں پیدا ہوئے اور دہیں تعلیم و تربیت حاصل کی(3)

بیعت:

سن شعور کو پہنچنے کے بعد حضرت بابا ابراہیم قدس سرہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ان سے شرف بیعت حاصل کیا، اور ایک سال کی مختلف عبادتوں اور ریاضتوں کے بعد انوار الٰہی سے اپنے قلب کو روشن و منوّر بنا کر بابا ابراہیم سے خلافت حاصل کی (4) بُہت دن تک آپ شیخ منصور کی خدمت میں بھی رہے (5)

سیاحت:

اس کے بعد بھی رُوحانی کسب کمال کے لئے آپ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں گھومتے رہے۔ اور مختلف اولیا و صوفیائے کرام کی رُوح پرور صحبتوں سے مستفیض ہوئے جن میں حضرت شیخ فرید گنج شکر (6) حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی (7) حضرت مخدوم جہانیاں جلال الدین بخاری (8) خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔ شیخ صدرالدین عارف (9) سے بھی آپ کی ملاقاتیں رہیں۔ تاریخ فیروز شاہی کا مصنف ضیاءالدین برنی کہتا ہے کہ بلبن (10) کا بیٹا خان شہید آپ کا بیحد معتقد تھا۔ خان شہید (11) کی بڑی آرزو یہ تھی کہ آپ ملتان میں قیام فرمائیں اور اس کے لئے اس نے ایک خانقاہ بھی بنوانا شروع کی۔ لیکن آپ نے ملتان (12) میں قیام پسند نہیں فرمایا۔ لیکن پھر بھی کبھی کبھی خان شہید کے پاس جاتے اور شیخ صدرالدین عارف کی مجلس سماع میں شریک ہوتے تھے۔

سندھ میں تشریف آوری:

صاحب تحفتہ الکرام میر علی شیر قانع ٹھٹھوی کا بیان ہے کہ آپ سیر و سیاحت کرتے ہوئے حضرت بُو علی قلندر (13) کی خدمت میں پہونچے۔

اُنھوں نے فرمایا کہ ہند میں تین سو قلندر موجود ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ سندھ ہی تشریف لے جائیں۔ اُن کے مشورہ کے مطابق آپ نے سندھ میں پہنچ کر سیوستان (14) میں قیام فرمایا۔

آپ کی آمد کی برکت:

اتفاق سے سیوستان میں آکر آپ جِس محلّے میں مقیم ہوئے وہ کسبی عورتوں کا تھا۔ اس عارف باللہ کے قدوم میمنت لزوم کا پہلا اثر یہ تھا کہ وہاں زناکاری اور فحاشی کا بازار سرد پڑ گیا، نیکی اور پرہیز گاری کی طرف قلوب مائل ہوئے اور زانیہ عورتوں نے آپ کے دستِ حق پرست پر توبہ کی۔ (15)

رشد وہدایت:

مخدُوم شہباز قلندر نے سیوستان (سہون) میں رہ کر بگڑے ہوئے لوگوں کو سیدھے راستے پر لگایا، اُن کے اخلاق کو سنوارا، انسانوں کے دلوں میں نیکی اور سچائی کی لگن پیدا کی اور ایک دوسرے کے ساتھ محبّت اور پیار سے رہنا سکھایا۔

وہ تقریباً چھ سال تک سیوستان میں رہ کر اسلام کا نور سندھ میں پھیلاتے رہے۔

ہزاروں انسانوں نے آپ سے ہدایت پائی اور بہت سے بھٹکے ہوئے لوگوں کا رشتہ اللہ سے جوڑا۔

جذب وسکر:

آخر عمر میں آپ پر جذب و سکر کی کیفیت طاری ہو گئی تھی اور قلندریہ مشرب اختیار کر لیا تھا۔ آپ کے قلندروں کو ''لال شہبازیہ'' کہتے ہیں۔

علم وفضل:

صاحِب "آب کوثر" شیخ اکرام نے اپنی کتاب میں برٹن کی ہسٹری آف سندھ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ شہباز قلندر بڑے عالم اور لسانیات اور صرف ونحو میں ماہر تھے۔ چنانچہ برٹن کے زمانے 1852ء میں صرف ونحو کی جو کتابیں مروج تھیں مثلاً میزان الصرف اور صرف صغیر کے متعلق قسم دوم وہ حضرت لعل شہباز قلندر سے منسوب کی جاتی ہیں۔

وفات:

1274ع مطابق 21 شعبان 673ھ میں وفات پائی اور سیوستان (سہون) میں آج بھی آپ کا مزار مرجع خاص وعام ہے۔

روضہ کی تعمیر:

فیروز شاہ تغلق (753 — 790ھ) کی حکومت کے زمانے میں ملک رکن الدین عرف اختیار الدین والی سیوستان نے آپ کا روضہ مبارک تعمیر کرایا اس کے بعد 993 ھ میں

ترخانی خاندان کے آخری بادشاہ مرزا جانی بیک ترخان نے آپ کے روضہ کی توسیع و ترمیم کرائی۔ پھر 1009ھ مرزا جانی بیگ ترخان کے بیٹے مرزا غازی بیگ نے اپنی صوبہ داری کے زمانے میں اس میں دوبارہ ترمیم کرائی۔

حواشی

(1) لُبِ تاریخ سندھ قلمی، سندھی ادبی بورڈ ص 7

(2) لب تاریخ سندھ ص 7 آب کوثر ص 331 پر شیخ اکرام نے اس کا نام مرند لکھا ہے اور اس کا جائے وقوع تبریز کے قریب بتایا ہے۔

(3) لب تاریخ سندھ ص 7

(4) آب کوثر ص 331

(5) لب تاریخ سندھ قلمی ص 8

(6) آپ کا نام مسعود، لقب فرید الدین تھا۔ گنج شکر کے لقب سے بھی مشہور ہوئے۔ حضرت گنج شکر کی ولادت 584ھ میں قصبۂ کھتی وال ضلع ملتان میں ہوئی۔ اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے بیعت و خلافت حاصل کی اور 664ھ میں آپ نے وفات پائی بزم صوفیا ص 122 - 123

(7) حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاملتانی، ملتان کے نواح قلعہ کوٹ کروڑ میں 1182ء میں پیدا ہوئے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے بیعت وضافت حاصل کی اور ملتان میں توطن اختیار کیا اور 1264ء مطابق 611 ھ میں آپ نے وفات پائی (سنہ ولادت و وفات آب کوثر اور بقیہ حالات بزم صوفیا سے ماخوذ ہیں)

(8) آپ کا اسمِ گرامی سید جلال الدین۔ لقب مخدوم جہانیاں جہاں گشت تھا۔ صاحب سیر العارفین کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آپ نے عید کے دن حضرت بہاؤالدین زکریاملتانی نے، حضرت شیخ علاؤالدین اور شیخ رکن الدین کے مزارات پر مراقبہ کیا اور مراقبہ میں ان بزرگوں سے عیدی طلب کی تو ان بزرگوں کی طرف سے عیدی میں مخدوم جہانیاں کا لقب ملا۔ جب وہاں سے آپ واپس ہوئے تو راستے میں جو کوئی آپ کو ملتا بے اختیار مخدوم جہانیاں کہہ کر پکارتا تھا۔ مخدوم جہانیاں کے والد کا نام سید احمد کبیر اور دادا کا نام حضرت جلال الدین سرخ بخاری تھا۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے جاملتا ہے۔ آپ کی ولادت 707ھ میں ہوئی۔ آپ نے شروع میں تربیت اپنے چچا سید محمد بخاری سے حاصل کی۔ پھر اُچھ کے قاضی علامہ بہاؤالدین سے ظاہری تعلیم حاصل کی۔ طریقت کی تعلیم پہلے آپ نے اپنے والد سے پائی۔ پھر حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاملتانی کے پوتے حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدین کے ہاتھ پر بیعت کی اور انہیں سے خلافت حاصل کی۔ سلطان محمد تغلق نے حضرت مخدوم جہانیاں کو شیخ الاسلام بنا کر ان کے سپرد چالیس خانقاہیں کی تھیں۔ لیکن آپ سب کو چھوڑ کر حج کے لئے روانہ ہو گئے۔ سلطان فیروز شاہ بھی آپ کا بیحد معتقد تھا۔ آپ ہی کی

کوشش سے سندھ کے سمہ خاندان کے بادشاہ جام بابینہ اور سلطان فیروز کے درمیان صلح ہوئی۔ جس کا حال میں نے اپنی کتاب " سندھ کی تاریخی کہانیاں " میں مفصل لکھا ہے۔ مخدوم جہانیاں نے انھتر سال ایک ماہ اور چھبیس روز کی عمر میں 775ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار مبارک اُچھ میں ہے جو ریاست بھاول پور میں ملتان سے ستر میل کے فاصلے پر جنوب مغرب میں واقع ہے۔ (ماخوذ از بزم صوفیا۔ سید صباح الدین۔ تذکرہ حضرت سید جلال الدین بخاری و تحفتہ الکرام جلد 3 ص 120.)

(9) شیخ صدر الدین عارف حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی کے فرزند ہیں۔ اپنے والد سے روحانی اور ظاھری تعلیم حاصل کی 684ء میں آپ نے ملتان میں وفات پائی (بزم صوفیا ص 110.

(10) بلبن کا نام غیاث الدین تھا۔ چنگیز خانی حملے میں گرفتار ہو کر بغداد میں ایک غلام کی حیثیت سے فروخت ہوا اور ایک بزرگ جمال الدین بصری نے اِسے خریدا اور تعلیم و تربیت دی پھر بلبن دھلی آیا۔ اور بہشتی و فراش کی معمولی خدمتوں سے ترقی کرتے کرتے نائب المالک بن گیا۔ 664ھ /1326ء میں سلطان ناصرالدین محمود کی وفات کے بعد وہ ہندوستان کا بادشاہ بن گیا۔ 686ھ میں بلبن نے وفات پائی۔ (موجِ کوثر و تاریخ فیروز شاہی)

(11) خان شہید کا اصل نام سلطان محمد تھا۔ یہ غیاث الدین بلبن کا بیٹا ہے۔ خان شہید کی تعلیم و تربیت غیاث الدین بلبن نے بہترین طریقے پر کی تھے۔ وہ نہایت ہی قابل مرتاض نوجوان تھا۔ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر اور حضرت بہاؤالدین زکریا جیسے جلیل القدر بزرگوں کی خدمت میں اس کو تقرب حاصل تھا اور امیر خسرو اور امیر حسن جیسے بزرگ و شاعر اُس سے متعلق تھے۔ باپ کی ساری تمنائیں اسی سے وابستہ تھیں۔ غیاث الدین نے اِسے منگولوں کی روک تھام پر مقرر کیا تھا یہ انھیں کے ہاتھوں شہید ہوا۔ (تحفتہ الکرام جلد 3 ص 136 آب کوثر ص 124

(12) ملتان ایک قدیم شہر ہے جس کو متعین نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کب آباد ہوا۔ مجمع الاسرار میں ہے کہ سام بن نریمان اکثر شکار کے لئے یہاں آتا تھا جہاں اب ملتان آباد ہے۔ اُسے یہ جگہ پسند آئی اور اُوس نے اس شہر کی بنیاد رکھی۔ یہاں کی چھینٹ اور صنعت رنگریزی بہت مشہور تھی۔ (ھیئت العالم قلمی نسخہ مصنفہ شیخ محمد اعظم ٹھٹوی مملوکہ سندھی ادبی بورڈ و تحفتہ الکرام جلد (3

(13) شیخ بو علی قلندر کا نام شرف الدین اور لقب بو علی قلندر تھا۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کی اولاد سے تھے۔ شیخ بو علی قلندر 605ھ میں پانی پت میں پیدا ہوئے کمسنی میں علوم ظاھری کی تکمیل کی اور بیس برس تک دھلی میں قطب مینار کے قریب آپ کے درس و تدریس کا فیض جاری رہا۔ بعد میں آپ پر جذب و سرمستی کی کیفیت طاری ہو گئی اور تمام کتابوں کو دریا میں غرق کر کے جنگل کی راہ لی۔ 13 رمضان 724ھ کو وفات پائی اور کرنال میں مدفون ہوے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کے اعزہ نے ایک رات آپ کا جسد مبارک قبر سے نکال کر پانی پت میں لے جا کر دفن کر دیا۔ (بزم صوفیا تذکرہ شاہ بو علی قلندر۔ ص 235 و 250)

(14) سیوستان کو سہون بھی کہتے ہیں یہ سندھ کا بہت قدیم شہر ہے، صاحب تحفتہ الکرام کا بیان ہے کہ یہ سہوان نامی

ایک شخص کے نام سے موسوم ہے جو سند کی اولاد سے تھا۔ ابتدا میں یہ شہر رایان الور کے ماتحت رہا۔ بعد میں ٹھٹھہ کے بادشاہوں کی حکومت میں شامل ہو گیا۔ جب شاہ بیگ ارغون نے سندھ کی حکومت حاصل کی تو یہ شہر اس کے ماتحت آیا۔ لیکن اس نے اس کو ٹھٹھہ سے انتظاماً علیحدہ کر دیا پھر شاہ حسن ارغونوں نے اپنی حکومت کے زمانے میں اس کو ٹھٹہ میں شامل کر لیا۔ عہد اکبر میں جب سندھ علیٰحدہ حکومت کا صوبہ بنا تو سیوستان کا حاکم علیحدہ مقرر ہوا۔ خدا یار خان کلہوڑا کے زمانے سے پہلے کی طرح یہ سندھ میں داخل ہے۔

(15) حدیقۃ الاولیا قلمی ص 1

عزیز کنگرانی

قلندر کی نگری سہون شریف

آس پاس کے خوبصورت مقامات اور زیارت گاھیں

قلندر شہباز کی نسبت سے سہون شریف پوری دنیا میں مشہور ہے۔ قلندر کی نگری سہون، ملتان کی طرح ولیوں اور بزرگوں کی نگری ہے۔ پورے شہر میں درگاہیں، خانقاہیں اور مزاریں موجود ہیں جن کی زیارت سے بے شمار زائرین فیضیاب ہوتے ہیں۔ سہون شریف اور اس کے آس پاس بھی نہایت اہم اور قدیم۔ مقامات، خوبصورت وادیاں اور بزرگوں کی درگاہیں موجود ہیں جن کی زیارت اور سیر سفر سے زائرین حظ بھی حاصل کر سکتے ہیں تو فیضیاب بھی ہوتے رہتے ہیں۔ اُن درگاہوں، اہم مقامات اور وادیوں کا مختصر ذکر کرنا ضروری ہے تاکہ قلندر شہباز کے میلے کے موقعہ پر قلندر کی نگری سہون شریف میں آنے والے زائرین قلندر شہباز کی زیارت کے علاوہ سہون کے قریب اہم مقامات، حسین وادیاں اور در گاہیں گھوم کر ان سے آشنائی اور فیض حاصل کر سکیں۔

یک تھنبھی اور چار تھنبھی:

دونوں مقامات کیلئے مقامی روایت ہے کہ حضرت قلندر شہباز نے یہاں چلہ کشی کی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت لعل شہبازؒ یہاں سے مکہ مکرمہ اور مدینہ شریف کی زیارت کو بھی جایا کرتے تھے۔ چار تھنبھی کے قریب ایک تندُور اور اس کے رکھوالے کا بھی آستان ہے۔ اس تندور کو حضرت لعل شہبازؒ سے منسوب کیا جاتا ہے۔ یک تھنبھی اور چار تھنبھی کی قدامت کیلئے تاریخ میں جھانکنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقامات اُن یوگیوں، گیانیوں اور صوفیوں کے آستان ہیں، جہاں ہندوستان سے یوگی آکر ٹھہرتے تھے اور پھر ننگیگ شریف،

نغاول، بگہ شیر سے گذر کر کھیر تھر پہاڑی سلسلے میں موجود نورانی چوک تک پہنچنے کیلئے کوتو پہاڑ عبور کرکے شاہ نورانی لاہوت لامکان کی زیارت کرتے تھے اور پھر ہنگلاج کی طرف سفر جاری رکھتے تھے۔

لعل باغ:

سہون کے قریب جنوب میں واقع قلندر لعل شہبازؒ سے منسوب لعل باغ خوبصورتی اور سحر انگیزی کی نادر مثال ہے۔ اس باغ میں حضرت قلندر سے منسوب چلہ گاہ اور مسواک بھی موجود ہے۔ عقیدت اور تفریح کے لحاظ سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ گھومنے آتے ہیں۔

نٹگ شریف :

نٹگ شریف، قلندر کی نگری سہون شریف سے 45 کلومیٹر کے فاصلے پر مغرب۔ جنوب کی طرف کھیر تھر پہاڑی سلسلے کے بڈو۔ بھت پہاڑوں میں ایک خوبصورت وادی ہے۔ اس وادی میں قدیم ترین مقامات بھی ہیں تو جیلانی خاندان کے بزرگوں کے مقبرے بھی زیارت کا مرکز ہیں۔ اس جیلانی خاندان کا پہلا بزرگ پیر قنبر علی شاہ جیلانی ہے جو اندازاًسمہ سلاطین کے دور میں یہاں آکر آباد ہوا اور اپنی پیری مریدی کا حلقہ وسیع کیا۔ پیر قنبر علی شاہ جیلانی کے آباؤاجداد ایران کے علاقے جیلان سے ہجرت کرکے پہلے قلات پھر زیدی بلوچستان میں آباد ہوئے تھے۔ جہاں سے ہجرت کرکے انہوں نے نٹگ شریف کو اپنا مسکن بنایا۔ یہاں پیر صالح شاہ جیلانی، پیر غلام شاہ جیلانی اول اور پیر اللہ بخش جیلانی کی درگاہیں موجود ہیں۔ ان درگاہوں کا موجودہ گادی نشین پیر غلام شاہ جیلانی دوئم ہے۔ یہاں مائی شاہل عرفائی شاہ روہی کا مزار ہے، جس کیلئے مقامی طور پر روایت ہے کہ وہ یہاں کے کافر حاکم لکھمیر کی بیٹی تھی۔ لکھمیر سے حضرت علی علیہ السلام کی لڑائی ہوئی تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے لکھمیر کافر

کو پہاڑ سے لگا کر ختم کر دیا اور اس کی بیٹی مائی شاہ روہی کو کرامت سے پتھر (Fossil) بنا دیا تھا۔ یہاں لکھمیر کی ماڑی نامی ایک قدیم ٹیلہ (Mound) ہے 1927ء میں سندھ کے قدیم آثاروں کی تلاش میں نینی گوپال مجدار یہاں سے گذار تھا اور اس جگہ کو لوہے کے زمانے کا آثار قرار دیا تھا۔ اس جگہ کی کھدائی سے اہم قدیم آثار نمایاں کیئے جا سکتے ہیں۔ یہاں ایک چشمہ ہے جسے حضرت علی علیہ السلام سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس چشمے اور نئیگ کے قدرتی چشموں کے پانی پر کاشتکاری بھی ہوتی ہے۔ یہاں نئیگ شریف میں خوبصورت باغ ہے جس میں زیادہ تر کھجور اور پیپل کے درخت ہیں۔ نئیگ شریف میں چشمے کے پانی پر صدیوں سے چلنے والی آٹا پسینے کی چکی بھی موجود ہے۔

کائی وادی میں پنجتن کا باغ:

کائی کی وادی سہون شریف سے مغرب۔ جنوب میں 35 کلو میٹر کے فاصلے پر کھیر تھر پہاڑی سلسلے میں واقع ہے۔ اس وادی میں ایک قدرتی پانی کا چشمہ ہے۔ یہاں کائی میں ایک باغ ہے جو وادی کی خوبصورتی کا مظہر ہے۔ اس باغ میں اکثر کھجور کے درخت ہیں۔ اس باغ کو اب پنجتن پاک سے منسوب کیا جاتا ہے۔ کائی میں چشمے کے پانی پر چلنے والی چکی صدیوں سے آج تک موجود ہے۔ اس باغ میں کچہری نامی آستان ہے جو پنج تن پاک سے منسوب کیا جاتا ہے۔ کائی کی وادی میں پتھر کے زمانے (Stone Age) کی غاریں (Caves) بھی موجود ہیں، جو اس وادی کی قدامت کا اندازہ لگانے کیلئے کافی ہیں۔

لکی شاہ صدر کے چشمے:

لکی شاہ صدر سہون شریف سے 19 کلو میٹر جنوب میں انڈس ہائی وے پر واقع ہے، جہاں پیر صدرالدین شاہ لکیاری کا مزار زیارت کا اہم مرکز ہے۔ اس کے علاوہ لکی کے مشہور اور مقبول چشمے، لکی شہر سے 5 کلو میٹر کے فاصلے پر مغرب میں کھیر تھر پہاڑی سلسلے کے لکی

پہاڑوں میں موجود ہیں۔ چشموں کے کناروں پر قدیم زمانے سے دو مندر آج بھی موجود ہیں۔ یہاں دو اقسام کے چشمے ہیں۔ ایک گرم اور دوسرا سرد چشمہ ہے۔ گرم چشمے کا پانی، گندرف کی موجودگی کی وجہ سے خارش اور کھجلی کے مرض کیلئے مفید ہے۔ اس لئے دور دور سے خارش اور کھجلی کے مریض لکی کے گرم چشمے میں نہانے اور مرض سے نجات حاصل کرنے کیلئے آتے ہیں۔ نہانے کیلئے عورتوں اور مردوں کے لئے مخصوص بندوبست کیا گیا ہے۔ یہاں ایک چلہ گاہ ہے جو پیر شاہ صدر سے منسوب کیا جاتا ہے۔ جس کا حسب نسب سید علی شاہ سے جا کر ملتا ہے۔ تحفتہ الکرام میں ذکر ہے کہ دلوراء کے بھائی چھٹو امرانی نے اپنے بھائی کے خلاف خلیفہ سے شکایت کی جس نے چھٹو امرانی کی مدد کیلئے سید علی شاہ کو بھیجا تھا جو یہاں لکی میں آیا تھا۔ اس لئے تحفتہ الکرام نے لکی کو لک علوی (Alvi Pass) کے نام سے درج کیا ہے۔ لکی تیر تھ اور قدیم مندر دونوں تقسیم ہند کے بعد خستہ حالی کا شکار ہیں۔

پروفیسر محمد حنیف ازھر

سیّد محمّد عثمان مروندی المعروف

لعل شہباز قلندر

آذر بائیجان میں تبریز سے 40 میل کے فاصلے پر دریائے "زولو" کے کنارے ایک شہر مرند نامی واقع ہے۔ مقدسی کی تاریخ کے مطابق یہ شہر چوتھی صدی ہجری میں ایک چھوٹا سا قلعہ تھا، جس میں ایک چھوٹی سی مسجد تھی اور شہر کی بیرونی آبادی باغات سے بھرپور تھی اور اس میں ایک صاف ستھرا اور بارونق بازار بھی تھا۔ چوتھی صدی ہجری میں اس شہر کو کُردوں نے لوٹ مار کر کے تباہ و برباد کر دیا تھا۔ اسی تاریخی شہر میں جنوبی ایشیا کی اس عظیم روحانی ہستی کی ولادت ہوئی، جس کو دنیا ''لعل شہباز قلندرؒ'' کے نام سے جانتی ہے۔ اور جس کی روحانیت سے یہ خطہ آج بھی منور و تاباں ہے۔

آپؒ کا نام سید محمد عثمان اور لقب لعل شہباز قلندرؒ ہے۔ تذکرۃ الانساب کے مطابق آپ کو لعل اس لیے کہتے ہیں کہ لال رنگ کے کپڑے پہنا کرتے تھے۔ اور چونکہ آپ ہمہ وقت جذب و سکر کی کیفیت میں رہتے اس لیے آپؒ کو قلندر کہتے ہیں۔

آپ کے والد گرامی کا نام سید کبیر الدینؒ ہے۔ ''قلندر نامہ سندھی'' اور ''بستان العارفین'' کے مطابق آپ کا سن ولادت 538، ہجری، جبکہ '' تذکرہ صوفیائے سندھ'' اور ''لب تاریخ سندھ'' کے مطابق آپ 573 ہجری بمطابق 1177 عیسوی میں پیدا ہوئے۔ آپ کی عمر مبارک ابھی چند برس کی تھی کہ آپ کو اپنے گاؤں کی مسجد میں اسلامی تعلیم کے حصول کی غرض سے بھیجا گیا۔ 7 سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید حفظ کیا اور جلد ہی عربی اور فارسی میں دسترس حاصل کرلی۔ آپ کو تعلیم حاصل کرنے کا بے حد شوق تھا۔ '' موج کوثر'' از شیخ محمد اکرام کے مطابق آپ بڑے عالم تھے اور لسانیات اور صرف و نحو میں

مہارت رکھتے تھے اور اس زمانے میں صرف و نحو کی جو کتابیں مروج تھیں مثلاً ''میزان الصرف'' اور ''صرف صغیرہ'' وہ آپ ہی سے منسوب تھیں۔

حضرت لعلی شہباز قلندرؒ کو سیر و سیاحت کا شوق تھا، تعلیم حاصل کرنے کے بعد سب سے پہلے حجاز کے سفر پر نکلے، مکہ معظّمہ پہنچے، حج کیا اور روضہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دی، پھر مشہد میں حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار اقدس پر حاضری دی۔ یہاں ہی آپؒ کی ملاقات حضرت بابا ابراہیمؒ سے ہوئی۔ آپؒ نے ان کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ انکی خدمت میں رہ کر سلوک و طریقت کی منزلیں طے کیں اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔ بعد ازاں ایک طویل عرصہ تک سیر و سیاحت کرتے رہے۔ اس دوران بے شمار اولیائے کرام سے ملاقاتیں کیں اور بہت سے اولیائے کرامؒ کے مزارات پر حاضری کا شرف حاصل کیا۔ خصوصاً امام اعظم حضرت ابو حنیفہؒ اور حضرت غوث الاعظم شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ کے مزارات پر قیام کیا۔ بارگاہ غوثیہ سے آپ کو بیت اللہ شریف جانے کا حکم ہوا۔ زیارت حرمین شریفین کے لئے حاضر ہوئے۔ یہاں آپ کی ملاقات حضرت سید جلال الدین سُرخ بخاریؒ سے ہوئی۔ آپ نے ان کے ساتھ کئی سال تک مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ میں قیام کیا اور ریاضتیں اور مجاہدے کیے۔ وہاں سے آپ حضرت سید جلال الدین سُرخ بخاریؒ کے ساتھ بخارا تشریف لے گئے اور کئی صاحبان علم و معرفت سے کسب فیض کیا۔

چند ماہ بخارا میں رہنے کے بعد آپؒ نے نجف اشرف سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے روضہ مبارک پر حاضری دی۔ وہاں سے آپؒ کو کربلائے معلیٰ پہنچنے کا حکم ہوا۔ جہاں آپؒ کے والد محترم سید کبیر الدینؒ مقیم تھے۔ آپؒ کربلائے معلیٰ پہنچے، والد محترم جو آپؒ کو یاد کر کر کے روتے تھے۔ اپنے بیٹے سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ اپنے سینے سے لگایا اور انہیں دنیا میں ہر آزمائش میں ثابت قدم رہنے کی وصیت کی۔ کچھ روز کے بعد حضرت سید کبیر الدینؒ کا وصال ہو گیا۔ آپؒ سخت رنجیدہ ہوئے چنانچہ وہاں سے سبزوار تشریف لے گئے

جہاں آپؒ کے مرشد کامل حضرت بابا ابراہیمؒ سکونت پذیر تھے۔ آپؒ نے ان کی خدمت میں حاضری دی وہ بھی آپؒ کے انتظار میں تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے پیر و مرشد کا خرقہ اور دیگر تبرکات آپؒ کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا'' جب میں دنیا سے گذر جاؤں تو تم سید جمال شاہ مجردؒ کی خدمت میں حاضری دینا وہ تمہاری تکمیل کرینگے''۔ چنانچہ چند روز بعد حضرت بابا ابراہیمؒ بھی انتقال فرما گئے۔ یکے بعد دیگرے دو عظیم ہستیوں کا بچھڑ جانا ایک المناک سانحہ سے کم نہیں تھا۔ لیکن آپؒ نے نہایت صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔

اپنے پیر و مرشد کی وفات کے بعد آپؒ حضرت سید جمال شاہ مجردؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مفتی غلام سرور لاہوری کی تصنیف ''خزینتہ الاصفیاء'' کے مطابق حضرت سید جمال شاہ مجردؒ کو حضرت بابا ابراہیم سے شرف ارادت حاصل تھا۔ '' خیر المجالس''از حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے مطابق حضرت سید جمال شاہ مجردؒ طویل مدت تک مصر میں مفتی کے عہدہ پر فائز رہے۔ ایک دن حضرت سید جمال شاہ مجردؒ پر عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ آپؒ نے اپنی داڑھی مونچھ منڈ وادی اور قبرستان میں جا کر بیٹھ گئے۔ حضرت سید جمال شاہ مجردؒ کو مجرد اس لئے کہتے ہیں کہ انہوں نے شادی نہیں کی تھی۔ ''خزینتہ الاصفیاء'' کے بیان کے مطابق آپؒ کے پیر و مرشد حضرت بابا ابراہیمؒ نے بھی اپنی زندگی تجرد میں گذاری تھی۔ اسی دستور پر عمل کرتے ہوئے حضرت سید عثمان مروندیؒ نے بھی شادی نہیں کی اور عمر عزیز عبادت و ریاضت میں گذار دی۔ حضرت سید جمال شاہ مجردؒ کی وجہ سے یہ رسم بھی رائج ہو گئی کہ جب بھی کوئی قلندری طریقت میں داخل ہوتا ہے تو داڑھی مونچھ، بھنویں اور سر منڈ وا دیتا ہے۔ محققین کی رائے کے مطابق حضرت سید جمال شاہ مجردؒ ہی سلسلہ قلندریہ کے بانی ہیں۔

''طبقات الصوفیہ'' کے مطابق قلندر وہ فرد ہوتا ہے جو تارک الدنیا، تہجد گذار اور نفسانی لذتوں سے پاک ہو۔ اس طریقت میں صحیح قلبی اعمال پر زور دیا جاتا ہے اور ہمہ وقت مشغول حق رہنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ قلندری کا راز مستی میں مضمر ہے۔ یہ مستی حق و انصاف اور بے خوفی سے نمودار ہوتی ہے۔ بقول اقبالؒ

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق

یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

تاریخی روایات کے مطابق حضرت لعل شہباز قلندرؒ سیاحت کے دوران جب بر صغیر میں آئے تو سب سے پہلے انہوں نے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مزار اقدس پر حاضری دی۔ وہاں سے روحانی فیوض و برکات حاصل کیے۔ پھر دہلی تشریف لائے اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پر حاضر ہو کر چلہ کشی کی۔ وہاں سے پانی پت آئے اور حضرت بو علی قلندرؒ کی خدمت میں حاضری دی۔ یہاں قلندری طریقت کے بہت سے اسرار و رموز آپ پر واضح ہوئے۔ پھر آپ ملتان تشریف لے گئے جہاں حضرت غوث بہاؤالدین زکریا ملتانی رحہ سے ملاقات کی اور پھر آپ سہون سندھ تشریف لے گئے اور اسی مقام پر مستقل قیام کا فیصلہ کیا۔

یہ ساتویں صدی ہجری کا تیسرا عشرہ تھا، جب آپؒ نے سہون شریف میں آکر عوام کی روحانی و اخلاقی اصلاح کی۔ آپؒ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ آپؒ کی ایک کرامت یہ تھی کہ اس علاقہ کی فاحشہ عورتوں نے فحاشی سے توبہ کر لی اور تائب ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئیں۔ آپؒ کی تعلیمات میں محنت اور کسب حلال کا عنصر تھا۔ آپؒ نے یہاں کے لوگوں کی روحانی اصلاح کے ساتھ ساتھ اقتصادی اصلاح پر بھی بھرپور توجہ دی کیوں کہ اس وقت اس علاقہ کے لوگ تنگدستی کا شکار تھے۔ ایک مرتبہ سہون اور اس کے گرد و نواح میں شدید قحط پڑا لوگوں کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے، لوگ آپؒ کی خانقاہ کے گرد جمع ہو گئے اور آہ وزاری کرنے لگے۔ آپؒ نے لوگوں کو توبہ استغفار کرنے کی تلقین کی۔ پھر آپؒ نے دعا کی تو خوب بارش برسنا شروع ہو گئی ہر طرف جل تھل ہو گیا اور جانداروں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

آپؒ کی ایک مشہور کرامت یہ ہے کہ آپؒ کے پاس آنے والا کوئی بھی مریض مایوس نہیں جاتا تھا۔ آپؒ پانی پر دم کر کے دیتے اس طرح مریض صحت یاب ہو جاتا۔

اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو آواز کی حسن وخوبی سے نوازا تھا۔ خوش آواز ہونے کے ساتھ ساتھ آپؒ کی آواز میں سوز و گداز بھی تھا۔ آپؒ کا بیان اس قدر پرتاثیر ہوتا کہ لوگوں کے دلوں میں گھر کر جاتا تھا۔ لوگ اس قدر یکسوئی سے سنتے کہ گویا کہ ایک سکوت طاری ہو جاتا۔ مجمع پر ایک عجیب روحانی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

آپؒ ایک باکمال شاعر بھی تھے۔ قلندری رنگ آپؒ کی شاعری میں نمایاں ہے۔ آپؒ کے اشعار میں عجیب سرور و مستی ہے جو پڑھنے اور سننے والے کو عشق حقیقی کے اسرار و رموز سے آگاہی بخشتی ہے۔ آپؒ کی زبان چونکہ فارسی تھی۔ لہٰذا آپؒ نے اسی زبان کو اپنا ذریعہ اظہار بنایا ہے۔ محققین کے مطابق آپ کی شاعری بکھری ہوئی ہے کہیں یکجا نہیں ملتی۔ مختلف کتب ورسائل میں آپؒ کے اشعار جستہ جستہ ملتے ہیں۔

ڈاکٹر ہرومل سدار نگانی نے آپؒ کو سندھ کا پہلا فارسی شاعر کہا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ آپؒ کے کلام میں روحانی رموز میں الہامی گفتگو کی بو آتی ہے۔

"فتاویٰ واحدی" کے مصنف میاں عبدالواحد کے مطابق حضرت لعل شہباز قلندرؒ اکثر حالت وجد میں شعر کہا کرتے تھے۔ اس کی نظیر ان کی یہ بے مثال غزل ہے۔

زعشق دوست ہر ساعت درون ناری رقصم
گہی برخاک می غلطم گہی بردارمی رقصم

ترجمہ: یعنی محبوب کے عشق میں ہمہ وقت آگ پر محو رقص ہوں کبھی خاک میں لوٹتا ہوں اور کبھی سولی پر رقص کرتا ہوں۔

شدم بدنام در عشقش بیا ای پارسا اکنون
نمی ترسم زرسوائی بہر بازار میں رقصم

ترجمہ: میں اس عشق میں بدنام ہو گیا ہوں اور اب پکار رہا ہوں کہ اے پاکباز! اب تو

میرے پاس آ جا رسوائی سے کسی طرح نہیں ڈرتا اور ہر بازار میں کھلے عام رقص کر رہا ہوں۔

اگر صوفی شدن خواہی بیاتا خرقہ پوشانم
چہ خوش زنار بر بستم بہ ایں دیدار می رقصم

ترجمہ: اگر تم صوفی بننا چاہتے ہو تو آؤ تا کہ میں تمہیں خرقہ پہنادوں یہ کیسی خوبصورت زنار ہے جس کو دیکھ دیکھ کر میں محو رقص ہوں۔

مرا مخلوق میگوید گدا چندان چہ می رقصی
بدل داریم اسراری ازاں اسرار می رقصم

ترجمہ: لوگ بار بار مجھ سے پوچھ رہے ہیں، کہ اے گدا گر! کیوں ناچ رہے ہو؟ وہ نہیں جانتے جو میرے دل میں راز پوشیدہ ہیں جس کی وجہ سے میں محو ررقص ہوں۔

خلائق گر کند بر من ملامت زیں سبب ہر دم
مگر نازم براین ذوقی کہ پیش یار می رقصم

ترجمہ: اگرچہ دنیا والے ہر دم مجھ پر اس باعث ملامت کرتے ہیں مگر مجھے اپنے اس ذوق و شوق پر بے حد ناز ہے کہ میں اپنے محبوب کے سامنے محو ررقص ہوں۔

حضرت لعل شہباز قلندرؒ نے فارسی زبان میں نعتیہ شاعری بھی کی ہے۔ایک نعت کا مطلع ملاحظہ ہو۔

آں شاہ ہر دو عالم عربی محمد است
مقصود بود آدم عربی محمد است

ترجمہ: محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم دونوں جہانوں کے مالک ہیں اور وہی آدم کا مقصود اول ہیں۔

آپؒ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شان میں ایک منقبت کہتے ہوئے اپنی وابستگی اور بے خودی کا اظہار اس طرح کرتے ہیں

جام مہر علی زدر دستم
بعد از جام خردام مستم

حیدری ام قلندرم مستم
بندہ مرتضیٰ علی ہستم

آپؒ کے کلام کا اگر گہری نظر سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا کلام لب و لہجے کے لحاظ سے منفرد انداز میں عشق کی گہرائیاں اور پہنائیاں لیے ہوئے نظر آتا ہے۔ اس میں جوش وجذبہ کی فروانی اس قدر زیادہ ہے کہ بقول ڈاکٹر عبدالحمید سندھی:

''آپؒ کے خیالات عام صوفیانہ اصطلاحات سے مختلف اور منفرد ہیں''۔

تذکرہ نویسوں کے مطابق آپ نے سندھ کے مختلف علاقوں میں جاکر لوگوں کے دلوں میں ایمان کی شمع کو روشن کیا، لیکن تاریخ پر تاریکی کے گہرے پردے پڑے ہونے کی وجہ سے اس کی تفصیل سے آگاہی ممکن نہیں لیکن ''تحفتہ الکرام'' کے مطابق آپ، حضرت بہاؤلدین زکریا ملتانیؒ، حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ اور جلال الدین سُرخ بخاریؒ کے ساتھ سندھ میں بہت گھومے پھرے اور تبلیغی و اصلاحی خدمات سرانجام دیں۔ آپؒ سے بے شمار بڑی شخصیات نے فیض پایا۔ ڈاکٹر عبدالحمید سندھی کے مطابق سید علی سرمستؒ، سید عبدالوھابؒ، سید عبداللہ شاہ علویؒ، سکندر بودلوؒ، سید میر کلاں، سید بھورا بادل شیرؒ، سید صلاح الدینؒ، شیخ مکھنؒ، شاہ گودڑیاؒ، شیخ پٹھوؒ، لعل بکرؒ، لال موسیٰ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

آپؒ نے سو سال سے زائد عمر میں سہون میں وفات پائی۔ ''حدیقتہ الاولیاء'' اور ''مآثر الکرام'' کے مطابق آپ کا سن وصال 673 ہجری بمطابق 1274 عیسوی ہے جو کہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ جبکہ دیگر تذکرہ نگاروں کے مطابق 650 ہجری ہے۔

حضرت لعل شہباز قلندرؒ کے عقیدت مند پوری دنیا میں موجود ہیں اور ہر سال شعبان کی 18 تا 20 تاریخ آپؒ کے مزار پر اپنی عقیدتوں کا نذرانہ پیش کرتے ہیں، میلہ لگتا ہے۔ نقارے بجائے جاتے ہیں، دھمالیں ڈالی جاتی ہیں اور تین دن تک فضا مست قلندر کے مستانہ دار نعروں سے گونجتی رہتی ہے۔

ڈاکٹر عفان سلجوق

می رقصم

میرے والد مستغرق ہو کر کہتے تھے:

"مگر نازم بہ این ذوقی کہ پیش یار می رقصم"

آج سے تقریباً پچاس سال پہلے اپنے والد سے لعل شہباز کی یہ مشہور غزل چند بار سنی تھی جو مجھے یاد ہو گئی اور اب تک یاد ہے لیکن مجھے کبھی ہمت نہ ہوئی کہ ان عارفانہ اشعار کے بارے میں کوئی مقالہ لکھوں اور دانشوروں کی نذر کروں۔ لیکن آج میں اپنی تمام بے بضاعتی اور کم مائیگی کے باوجود اپنی فکری کوشش کو ارباب خرد کے سامنے پیش کرنے کی جرات کرتا ہوں اور بقول شہباز قلندر کے "ہر چہ پیش می آید یار آن را تماشا می کند"۔

عثمان مروندی معروف بہ لعل شہباز قلندر اپنے زمانے کے ایک مشہور معروف صوفی گزرے ہیں۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم مروند سے حاصل کی اور پھر علم و عرفان کی تلاش میں کئی سال ایران اور ماوراالنہر کی سیاحت کی، یہاں تک کہ آپ ہندوستان آئے اور 662ھ / 1263ء میں ملتان پہنچے جو اس زمانے میں ایک فرہنگی مرکز اور علماء اور مشائخ اہل تصوف کی آماجگاہ تھا۔ حاکم شہر سلطان محمد جو سلطان غیاث الدین کا بیٹا تھا علماء اور اہل تصوف کا دلدادہ تھا اور ان کی خدمت کو اپنا فرض جانتا تھا۔ سلطان کو لعل شہباز سے بڑی عقیدت تھی اور چاہتا تھا کہ لعل شہباز ہمیشہ ملتان میں رہیں۔ مگر لعل شہباز بو علی شاہ قلندر کے مشورے سے سہون میں تشریف لائے۔

لعل شہباز کے اپنے عہد کے صوفیائے کرام سے بھی صمیمانہ اور دوستانہ تعلقات تھے خصوصاً وہ شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی، مخدوم جہانیاں جہاں گشت اور شیخ فرید الدین گنج شکر کے رفقا میں سے تھے اسی دوستی اور صحبت کے بنا پر انہیں چہار یار کا لقب دیا گیا۔

لعل شہباز شعر بھی کہتے تھے۔ ان کا فارسی کلام مخدوم غوث محمد گوہر کی کاوشوں سے سندھی ترجمے کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔

لعل شہباز قلندریہ سلسلے سے تعلق رکھتے تھے جس کو بو علی شاہ قلندر سے نسبت دی جاتی ہے۔ آپ ہمیشہ سرخ رنگ کا لباس پہنتے۔ سہون میں آپ نے قلندریہ سلسلہ کی تشکیل دی اور ملامتیہ سلسلے کی خاص تعلیمات سے اسے پیوست کیا اور آپ نے فقیروں اور درویشوں کو "قلندریہ شہبازیہ" کے تحت جمع کیا۔ یہ لوگ عشق حقیقی کے بے کراں سمندر میں غرق ہو کر اسلامی شریعت کے امر و نہی کی پیروی نہیں کرتے تھے۔ لعل شہباز کے نزدیک دین اور مذہب فقط عشق و سرمستی ہے جیسا کہ وہ کہتے ہیں:

گہی قرآن می خوانم گہی زنار می بندم
گہی در مذہب ترسا بسی محنت کشید ستم

یا دوسری جگہ یوں کہتے ہیں:۔

فارغ ز کفر و دینم با دوست ہمنشینم
من نور ہر یقینم اندر بیان نگنجم

لعل شہباز عشق کی مستی میں اس طرح مستغرق ہوئے ہیں کہ خود کو اللہ اور اس کے خاص بندوں کے ساتھ نزدیک اور ایک ہی رنگ میں رنگا ہوا پاتے ہیں، وہ کہتے ہیں:۔

من آن درم کہ در بحر جلال اللہ بودستم
بہ کوہ طور با موسیٰ کلیم اللہ بودستم
بہ اسماعیل پیغمبر و ابراھیم بن آذر
در آن لحات قربانی بہ قربانگاہ بودستم
بہ خضر زندہ ھم بودم بہ آب آورد ھم بودم
با سکندر در آن لشکر بہ لشکر گاہ بودستم

جب وہ جذب کی اس حالت سے باہر آتے ہیں تو شریعت کی اہمیت کو فراموش نہیں کرتے جیسا کہ ان کا کہنا ہے:۔

رسیدم من بہ دریائی کہ موجش آدمی خوار است
نہ کشتی اندر آن دریانہ ملاحی عجب کا راست
شریعت کشتی باشد طریقت بادبان او
حقیقت لنگری باشد کہ راہ فقر دشوار است

وہ خوبصورت غزل جو لعل شہباز نے اپنے لئے کہی ملامتیہ اشعار کا بہترین نمونہ ہے اور کوئی شعر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا جب قلندر شہباز کہتے ہیں کہ۔

بیا جاناں تماشا کن کہ درانبوہ جانبازاں
بہ صد سامان رسوائی سر بازار می رقصم
تو آن قاتل کہ از بہر تماشا خون من ریزی
من آن بسمل کہ زیر خنجر خونخوار می رقصم

لعل شہباز اپنے کچھ اشعار سے شاعر مشرق علامہ اقبال کے فلسفۂ خودی کی رہنمائی کرتے ہیں:

شہباز لامکانم من در مکان نگنجم
عنقای بی نشانم من در نشان نگنجم
من بحر بیکرانم مقصود کن فکانم
من جان جان جانم اندر جہان نگنجم

انکی اکثر غزلیات میں لفظی تکرار، معنویت، موسیقی اور غنانے کلام کا حسن دوبالا
کر دیا ہے:

ای در نہان عیاں وعیان در نہاں توی
بی مثل لامثال نشاں بی نشاں توی
ہر رو بردی ظاہر ہر سو بہ سوی پنہاں
معلوم شد چنیں کہ ہمیں وہماں توی

ایک جگہ یوں کہتے ہیں۔

شب وروز در خیال تو حیراں شدم، شدم
در یاب حال زار پریشان شدم ، شدم
ہر دم بہ آ رزووی رخ شمع انجمن
پروا نہ وار بیخود و سوزان شدم، شدم
ہر صبح و شام از غم ہجران آن نگار
خون جگر زدیدہ چوباران شدم، شدم

وہ حالت جذب میں یوں پکارتے ہیں:۔

ناتوانی ناتوانی ناتوانی
جانفشانی جانفشانی جانفشانی
ذرہ ذرہ در خدایا بی اگر
کامرانی کامرانی کامرانی
گر برون زغمہای جہاں
شادمانی شادمانی شادمانی

شہباز کے غزلیات کی علاوہ ان کی حمد و نعت و منقبت بھی پر تاثیر ہیں۔ خصوصاوہ اشعار جو انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کی منقبت میں کہے ہیں۔ تمام مجالس سماع میں پڑھے جاتے ہیں۔ وہ یوں ہیں:

حیدری ام قلندرم مستم
بندہ مرتضیٰ علی ہستم

آج جب ہم شریعت سے دور ہو گئے ہیں اور طریقت کے راستے کو بھلا دیا ہے اپنے مبدا اور معاد سے بے خبر، خود پرست اور خود بیں، جب دوسروں کو خود سے حقیر اور پست جانتے ہیں۔ آیئے لعل شہباز کے حلقے میں ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر ناچیں اور گائیں:

" مگر نازم بہ ایں ذوقی کہ پیش یار می رقصم "

ڈاکٹر فائزہ زہرا مرزا

سندھ کے شہباز قلندر

سرزمین سندھ میں دین اسلام کی اشاعت اور حق وصداقت کی تعلیم عام کرنے میں مشائخ اور صوفیائے کرام کا ہمیشہ اہم کردار رہا ہے۔ ان بزرگان دین کی بدولت کئی غیر مسلم حلقۂ اسلام میں آئے۔ ان بزرگوں میں سے سید قطب الدین مدنی، سید امیر محمد مکی، شیخ نصیر الدین چراغ دھلوی، شیخ حامد السندی، حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی، شیخ فرید گنج شکر، شیخ پٹھوار ور لعل شہباز قلندر قابل ذکر ہیں، جنہوں نے اپنی تعلیمات اور عمل سے لوگوں کے دل جیت لئے۔

مذکورہ بزرگان دین میں سے ایک مشہور بزرگ جن کا نام آج بھی سندھ میں بڑی عقیدت اور احترام سے لیا جاتا ہے اور ان کے مزار پر ہر قوم و قبیلے کے لوگ حاضری دیتے ہیں وہ ہیں حضرت لعل شہباز قلنلدر۔

آپکا پیدائشی نام سید شاہ حسین تھا، مگر سیاسی حالات کی بنا پر آپ کے والد سید ابراھیم کبیر نے آپ کا نام عثمان رکھا۔ آپ کا سلسلہ آٹھویں پشت میں امام جعفر صادق علیہ اسلام سے ملتا ہے۔ آپ کے لقب شہباز کے بارے میں دو روایتیں ہیں کچھ مصنفین کے کہنے کے مطابق آپ کو شہباز کا لقب اپنے والد سے عطا ہوا۔ کیونکہ آپ کے والد حضرت ابراھیم کبیر الدین کو سید الشہدا امام حسین علیہ السلام کے روضہ سے باز کے عطا کئے جانے کی بشارت ہوئی تھی۔ دوسری روایت کے مطابق انہیں شہباز کا لقب ان کے پیر حضرت بہاؤالدین زکریا سے ملا تھا۔ آپ کو قطب الدین اور شمس الدین بھی کہتے ہیں۔

لعل شہباز قلندر کی ولادت رجب 538ھ میں آذر بائیجان کے شہر مرند (مروند) میں ہوئی۔ مورخین نے سنہ ولادت کو اس طرح بیان کیا ہے۔

بجو تاریخ شمس الدین عثمان
بہ در کن رنج از فلک کرامت

بہ لحاظ ابجد فلک کرامت 791 ہوتا ہے جس سے رنج 253 منہا کریں گے تو 538 تاریخ ولادت نکلتی ہے۔ حضرت عثمان مروندی نے ابتدائی تعلیم مروند میں حاصل کی۔ آپ کو بچپن ہی سے مذہبی ماحول ملا جس کی وجہ سے آپ نے کم سنی ہی میں قرآن پاک حفظ کیا۔ جب جوانی میں قدم رکھا تو آپ عربی، فارسی، حدیث، شریعت اور فقہ کے متعلق جو بھی علوم تھے ان میں دسترس رکھتے تھے اور تصوف کے چاروں مسالک یعنی سہروردی، قادری، چشتی اور نقشبندی کے مختلف مکاتب فکر سے ملاقاتیں کیں اور مباحث کئے۔

شہباز قلندر نے بلبن کے بیٹے سلطان محمد خان شہید کے دور سلطنت میں ملتان میں قدم رکھا وہ ان کے عقیدت مند تھے اور چاہتے تھے کہ لعل شہباز ملتان میں قیام فرمائیں لیکن سلطان محمد کے پرزور اصرار پر بھی وہاں نہ ٹھہرے اور انہوں نے ہند کا سفر اختیار کیا اور پھر سندھ میں لوٹ آئے اور سہون میں مقیم ہوئے۔ سہون کو اس زمانے میں سیوستان بھی کہتے تھے۔ ان کا سہون میں قیام 649ھ تک تاریخ میں ملتا ہے اور وہ آخری عمر تک وہیں رہے۔ کہا جاتا ہے کہ شہباز قلندر سرخ لباس پہنتے تھے اور سماع کے دلدادہ تھے۔ ان کی تبلیغات کے نتیجے میں مروند سے سہون تک ہزاروں لوگ حلقۂ اسلام میں وارد ہوئے۔ آپ ایک بڑے عارف، دلسوز معلم، ماہر شاعر اور مصنف تھے۔ ان کے خیالات فلسفہ اور عرفان، وحدت الوجود اور نجات۔ بشر سے مزین تھے۔ قلندر شہباز فارسی میں شعر کہتے تھے اور ان کا تخلص "عثمان" یا شہباز تھا۔

قلندر شہباز کا 650ھ میں سہون میں وسال ہوا۔ آپ کی عمر 112 سال بتائی جاتی ہے۔

سن عمرش ولی اللہ وفاتش

سروش غیب می گوید برحمت

ابجد کے حساب سے ولی اللہ 112 اور برحمتً 650 ہوتا ہے آپ کا مزار سہون میں زیارتگاہِ خاص وعام ہے۔

ہر دور میں آنے والے حاکم نے شہباز قلندر سے اپنی عقیدت کا بھرپور اظہار کیا ہے۔ 757ھ۔1356ء میں فیروز شاہ تغلق کے حکم سے سیوستان کے والی ملک رکن الدین نے جو اختیار الدین کے لقب سے مشہور تھا، شہباز قلندر کی قبر پر گنبد اور روضہ بنوایا۔

مرزا جانی بیگ ترخان نے مقبرے کو نئے طرز پر بنوایا۔ شاہجہاں کے دور میں نواب دیندار خاں بخاری نے مقبرے پر پھول بوٹے نقش کروائے۔1759ء میں غلام شاہ کلہوڑا نے خانقاہ اور دوسری عمارتوں کو بنوایا۔ میر کرم علی خان تالپور نے گنبد پر چاندی کی نیلیں چڑھائیں اور دروازے بنوائے۔ جدید دور میں ذوالفقار علی بھٹو نے مزار پر سونے کا دروازہ لگوایا جو شاہ ایران کی طرف سے بطور ھدیہ مزار کے لئے دیا گیا تھا۔

قلندر شہباز کا دیوان فارسی غزلیات، مفردات، مثنوی اور رباعیات پر مشتمل ہے۔ ان کے ایک مرید خضر علی بن محمد فاضل بن شیخ علی نے آپ کے ارشادات کو جمع کیا اور اس نے ملفوظات لعل شہباز کے نام سے موسوم کیا ہے۔

سندھ میں عربی کے ساتھ فارسی زبان کا اثر و نفوذ بھی نظر آتا ہے۔ سومرا عہد میں سندھ کا شمالی حصہ کچھ عرصے تک ملتان اور اچ کے توسط سے دہلی کی حکومت کے زیر اثر رہا۔ دہلی کی حکومت کی دفتری اور تعلیمی زبان چونکہ فارسی تھی، اس لئے سندھ میں فارسی رائج ہوئی۔ اس کے علاوہ بزرگان دین، علماء فضلاء اور شعراء جو ایران سے ہجرت کر کے سندھ مین آئے انہوں نے بھی فارسی زبان کو فروغ دیا اور رفتہ رفتہ فارسی زبان نے سندھ میں رواج پایا۔

شہباز قلندر جو ایران سے آکر سندھ میں مقیم ہوئے فارسی اور عربی زبانوں میں مہارت رکھتے تھے اور فارسی زبان میں شعر کہتے تھے، ان کا کلام فارسی زبان میں ہے۔ ان کی

شاعری ایک دردمند دل کی آواز ہے جس میں اللہ کی وحدانیت کا اقرار، غیر اللہ سے دوری اور اللہ کی طلب اور اس کی جستجو نظر آتی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

دوئی از سر بہ در کردم یکی دیدم دو عالم را
یکی بینم، یکی جویم، یکی دانم، یکی خوانم

شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ نے شہباز قلندر کی اس سوچ کو مد نظر رکھتے ہوئے کہا:

وحده لاشريڪ له اي هيڪڙائي حق
بيائي ڪي ٻڪ، جن وڌو سي ورسيا.

(یعنی جنہوں نے شرک سے دوستی رکھی اور اسے گلے لگایا وہ لوگ گمراہ ہوگئے)

شہباز قلندر اللہ کی محبت سے سرشار تھے اور ایک سالک حقیقی کی طرح ہر وقت اللہ کے عشق کی آگ انہیں تڑپاتی اور انہوں نے اپنی اس کیفیت کا برملا اظہار کیا ہے:

زعشق دوست ہر ساعت درون نار می رقصم
گہی بر خاک می غلطم گہی بر خار می رقصم

شہباز قلندر فلسفہ وحدت الوجود پر یقین رکھتے تھے۔ انہوں نے تصوف کے بارے میں بہت جامع مفہوم پیش کیا ہے جس کے مطابق شریعت، طریقت، معرفت اور حقیقت کے مراحل کو بخوبی بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں:

رسیدم من بہ دریایی کہ موجش آدمی خوار است
نہ کشتی اندران دریا نہ ملاحی عجب کار است
شریعت کشتی دارد طریقت بادبان او
حقیقت لنگری دارد کہ راہ فقر دشوار است

لعل شہباز دنیا کو ترک کرنا عبادت، اور اسی سے دل لگانا خطا سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک اللہ کا دیدار اسی وقت نصیب ہو گا جب انسان دنیا و مافی ھا کو ترک کر دے گا۔ ان کا کہنا ہے کہ خدا کے سوا اور کچھ حاصل نہیں کرنا چاہئے۔ عقلمند شخص کب مخلوق خدا کا خدمتگار بنتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

ترک دنیا شد عبادت حبّ دنیا شد خطا
آن جمال نازنین بی ترک دنیا کی بود
ھر چہ داری جز خدا بگذار آں رااى عزیز
چاکر مخلوق ماندن کار دانائی بود

جب عارف حقیقی اللہ کی محبت سے سرشار ہوتا ہے تو وہ خود کو بھلا دیتا ہے اور اسے اپنا وجود بے نام و نشان لگتا ہے۔ قلندر شہباز کہتے ہیں:

بی نام بی نشانم مست الست ھستم
بی کام بی زبانم مست الست ھستم

قلندر عرفان کے اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔ وہ خود کو قلندری مسلک لوگوں کا سر گروہ جانتے تھے اور یہ تب ہی ممکن ہوتا ہے جب وہ علی المرتضیٰ پر سر جھکاتا ہے اور ان کے دروازے اور ان کی ذات سے خود کو پیوست کرتا ہے۔ قلندر شہباز بھی حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار یوں کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

سر گر وہ تمام رندانم رھبر سالکان مستانم
ھادی سالکان عرفانم من سگ کوی شیر یزدانم
حیدری ام قلندرم مستم بندہ مرتضیٰ علی ھستم

قاری احمد

حضرت لعل شہباز قلندرؒ

پیدائش

سندھ کے مشہور و مقبول اور قدیم بزرگ حضرت لعل شاہ باز قلندر رحمتہ اللہ علیہ چھٹی صدی ہجری کے آخر میں تبریز کے قریب ایک گاؤں مروَند میں 573ھ (1177ء) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد صاحب کا نام حضرت سیّد کبیر رحمتہ اللہ علیہ تھا۔ عقیدت مندوں میں یہ روایت عام طور پر بیان کی جاتی ہے کہ آپ کی ولادت سے پہلے آپ کے والد سیّد کبیر نے خواب میں دیکھا تھا کہ قلندروں کی ایک جماعت دف بجا بجا کر گا رہی ہے اور بلند آواز سے کہتی جاتی ہے کہ سیّد کبیر کا بیٹا قلندروں میں ''امیر قلندر'' ہوگا۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ پیدا ہوئے تو آپ کے والد نے گہوارے میں آپ کی حرکات و سکنات کو دیکھ کر یقین کر لیا کہ میرا خواب سچّا تھا اور اس بچّے میں ابھی سے قلندرانہ رنگ دکھائی دے رہا ہے۔

اصلی وطن

آپ کا اصلی وطن مروَند تھا۔ اس جگہ کو تاریخ سندھ اور موج کوثر میں مہمند بھی کہا گیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ جگہ تبریز نہیں بلکہ ہرات کے قریب افغانستان کے علاقہ میں واقع تھی۔ بعض لوگوں نے اس جگہ کا نام مرند بھی بیان کیا ہے۔

نسب نامہ

حضرت لعل شاہ باز قلندر رحمتہ اللہ علیہ سادات خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور حضرت امام محمد تقی ابن حضرت امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد میں تھے۔ صوفیائے سندھ کے مصنف نے سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا ہے۔

''حضرت عثمان مروندی المعروف حضرت لعل شاہ باز قلندرؒ ابن حضرت سیّد کبیرؒ ابن حضرت سیّد شمس الدینؒ ابن حضرت سیّد نور شاہؒ، ابن حضرت سیّد محمود شاہؒ ابن حضرت سیّد احمد شاہؒ ابن حضرت سیّد ہادی شاہؒ ابن حضرت مہدی شاہؒ ابن حضرت سیّد منتخب شاہؒ ابن حضرت سیّد غالب شاہؒ ابن حضرت سیّد منصور شاہؒ ابن حضرت سیّد اسمٰعیل شاہؒ ابن امام محمد تقیؒ ابن امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ'' :۔

اِمام جعفر صادقؒ

حضرت امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ اہلِ طریقت اور تصوّف کے پیشوا تھے۔ آپ کی ذات سے صوفیوں کے خانوادے روشن ہوئے۔ جس سال حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے اس دنیا میں آنکھ کھولی آپ اس سال 80ھ میں بمقام مدینہ طیبّہ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد حضرت امام محمد باقر رحمتہ اللہ علیہ سے علم حاصل کیا اور بہت بڑے پائے کے عالم اور امام ہوئے۔ آپ کے دادا صاحب کا نام امام زین العابدینؑ تھا اور وہ کربلا میں اپنے والد حضرت امام حسین علیہ السّلام کے ساتھ 61ھ کے محرم میں موجود تھے۔ شادی ہو چکی تھی اور امام محمد باقر صاحبؒ کی عمر چار سال کے قریب تھی۔ کربلا سے یہ دونوں سلامت مدینہ آ گئے تھے۔ اور تمام زندگی مدینہ میں رہے۔ حضرت امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ نے اڑسٹھ سال کی عمر میں مدینہ شریف میں وفات پائی۔

دوسرا بیان

حیات نامہ قلندری کا بیان ہے کہ حضرت لعل شاہ باز قلندر رحمتہ اللہ علیہ کا پورا نام سیّد محمد عثمان حنفی تھا اور آپ کے والد صاحب کا نام سیّد محمد احمد کبیر الدین تھا آپ آذر بائیجان کے صدر مقام تبریز سے چالیس میل دور مغرب کی جانب سے ایک گاؤں مرند میں پیدا ہوئے تھے مگر مرندی کی بجائے کتابوں میں ان کو مروندی لکھا گیا ہے۔ اس غلطی کی وجہ سے ان کا

پیدائشی مقام افغانستان کے قریب مروند تصوّر کر لیا گیا ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب تیرھویں پشت میں حضرت امام جعفر صادق رحمتہ اللہ علیہ سے مل جاتا ہے۔ حضرت لعل شاہ باز قلندرؒ کی والدہ مروند کے حاکم سلطان شاہ کی نواسی تھیں۔ مقام پیدائش کی طرح ان کی تاریخ ولادت میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کتابوں میں 583ھ لکھی ہے جبکہ تذکرہ صوفیائے سندھ میں 573ھ بیان کی گئی ہے اور یہ زیادہ صحیح ہے۔ اسی طرح حیات نامہ قلندری میں سال ولادت 538ھ بیان کیا گیا ہے اور وفات کی تاریخ 650ھ لکھی ہے۔ اور ثبوت میں ایک تاریخی قطعہ بھی لکھا ہے جو درج ذیل ہے:۔

بجو تاریخ شمس الدین عثمان　　　بدر کن رنج از فلک کرامت

سن عمرش ولی اللہ، ہ وفاتش　　　سروش غیب می گوید برحمت

والدہ صاحبہ کو بشارت

بعض راویوں کا بیان ہے کہ حضرت لعل شاہ باز قلندر رحمتہ اللہ علیہ جب اپنی والدہ صاحبہ کے پیٹ میں تھے تو ایک دن رات کو خواب میں حضرت رابعہ بصریہ رحمتہ اللہ علیہا تشریف لائیں اور ان سے فرمایا کہ اے میری بیٹی میں تم کو یہ بشارت سُنانے آئی ہوں کہ تمہارا فرزند اللہ تعالیٰ کا محبوب اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کا برگزیدہ اور نامور قلندر ہوگا اور اس کی ذات سے اللہ تعالیٰ اپنے بہت سے گنہ گار بندوں کو توبہ کی توفیق عطا فرمائے گا۔ اے میری بیٹی! جب یہ پیدا ہو تو اس کے دونوں کانوں میں بلند آواز سے کلمہ طیبّہ لَا اِلٰہ اِلّا اللہ مُحمّدٌ الرّسُولُ اللہ کی آواز پہنچا دینا اور اپنے فرزند عالی قدر سے میرا سلام کہہ دینا۔ چنانچہ آپ کی والدہ صاحبہ نے اس خواب کو اور بشارت کو یاد رکھا اور جب لعل شاہ باز قلندر صاحبؒ پیدا ہوئے تو والدہ صاحبہ نے ان کے کہنے کے مطابق عمل کیا اور یقین کر لیا کہ میرا فرزند اللہ تعالیٰ کا محبوب اور اللہ کے دین کا ضرور بہت بڑا خیر خواہ ہوگا۔

ابتدائی تعلیم

حضرت لعل شاہ باز قلندر رحمتہ اللہ علیہ نے ابتدائی اسلامی تعلیم اپنے گاؤں مروند میں حاصل کی۔ سب سے پہلے آپ نے قرآن شریف پڑھا اور دین کے ابتدائی مسائل نماز روزے اور طہارت کے متعلق سیکھے۔ چھ برس کی عمر میں اس سے فارغ ہوگئے تو قرآن شریف حفظ کرنا شروع کردیا اور بڑی جلدی اس قابل ہوگئے کہ اپنے گاؤں سے باہر جاکر علمائے اسلام سے استفادہ کریں مگر آپ کی والدہ صاحبہ پسند نہیں کرتی تھیں کہ بچے کو اپنے سے دور رکھا جائے۔

ماں کی اطاعت و خدمت

حضرت قلندر صاحبؒ بیس برس کی عمر تک اپنی والدہ ہی کے پاس رہے، دل تو چاہتا تھا کہ گاؤں سے باہر علما کی خدمت میں جاکر علم دین حاصل کریں اور بحر علوم میں غوطہ لگائیں مگر جب ارادہ کرتے تو ماں کی اطاعت راستہ روک کر کھڑی ہوجاتی، اور آپ حصول علم پر والدہ کی اطاعت اور خدمت کو ترجیح دیتے اور اپنا ارداہ ملتوی فرما دیتے یہ سلسلہ بیس سال کی عمر تک چلتا رہا اور آپ نے جوانی و شباب کے ایام والدین کی خدمت و اطاعت میں گزار دیئے۔

والدین کا انتقال

حضرت قلندر صاحبؒ کے والد ماجد حضرت سیّد کبیر الدین صاحبؒ نے تھوڑی عمر میں اس وقت انتقال کیا جب حضرت قلندر صاحبؒ کی عمر شریف صرف 18 سال کی تھی۔ آپ والد صاحب کی حیات ہی میں حافظ قرآن ہوچکے تھے۔ والد صاحب بھی چاہتے تھے کہ فرزند دل بند کو علما کی خدمت میں حاضر کریں مگر قلندر صاحبؒ کی والدہ کی محبت مانع ہوتی تھی۔ آخر آپ اللہ کو پیارے ہوگئے اور قلندر صاحبؒ کی پوری نگرانی والدہ صاحبہ کے ذمہ آگئی۔ عمر کا بیسواں سال شروع تھا کہ آپ کی والدہ صاحبہ نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا اور

قلندر صاحب کو مغموم و ہراساں چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ والدہ کی وفات کے بعد چند ماہ آپ کی طبیعت بڑی غمگیں اور ملول رہی آخر اللہ تعالیٰ نے صبر عطا کیا اور آپ نے سامان سفر دُرست کیا اور گاؤں سے باہر حصول علم دین کی غرض سے قدم نکالا۔ علم کی لگن اور طریقت سے پیدائشی و فطری لگاؤ آپ کو بہت سے مقامات پر لے گیا اور آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔

بیعت و خلافت

حضرت قلندر صاحبؒ در حقیقت پیدائشی ولی تھے۔ دنیا میں آتے ہی کرامتوں کا ظہور شروع ہو گیا تھا اور لوگوں کی نظروں میں آپ کی ذات گھر سے لیکر مکتب و مدرسہ تک وجہ عقیدت بن گئی تھی۔ خود آپ کے والدین اس بات پر پورا یقین رکھتے تھے کہ فرزند محمد عثمان عرف لعل شاہ باز قلندر اللہ کی قدرتوں کا ظہور ہیں اور ان میں وہ تمام آثار اور علامات موجود ہیں جو ایک مادر زاد ولی میں ہونا چاہئے اس لئے وہ فرزند سے غیر معمولی محبت کرنے لگے تھے۔ ابھی سن شعور و شباب شروع ہی ہوا تھا کہ مروند کے نامور بزرگ حضرت شیخ ابو اسحاق بابا ابراہیم قادری رحمتہ اللہ علیہ کو ان کے جد امجد حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ نے عالم خواب میں آگاہ کیا او کہا کہ مروند میں محمد عثمان (لعل شاہ باز قلندر) کی طرف توجہ کریں اور راہ سلوک کی منازل طے کرانے میں پوری پوری کوشش کریں۔ حضرت بابا ابراہیم صاحبؒ نے اس خواب کے بعد آپ سے ملاقات فرمائی اور ایک ہی نظر میں ہونہار صاحبزادے کو سینے سے لگا لیا۔ حضرت قلندرؒ صاحبؒ نے بھی محسوس کیا کہ بابا ابراہیم صاحبؒ ایک طرح سے جانے پہچانے سے معلوم ہوتے ہیں دن بدن انکی محبت دل میں گھر کرنے لگی آخر ایک دن عصر کے بعد بابا ابراہیم صاحبؒ قادری نے مروند کے مشائخ کو جمع کیا اور اس خصوصی تقریب میں حضرت قلندر صاحبؒ کو سلسلہ قادریہ میں داخل فرما کر سلوک و معرفت کی منازل طے کرانا شروع کر دیں۔

بابا ابراہیم قادریؒ

حضرت بابا ابراہیم صاحب قادری رحمتہ اللہ علیہ کو مروند اور اطراف کے علاقوں میں بڑی مقبولیت حاصل تھی اور آپ طریقت و حقیقت کے نامور عارف کامل سمجھے جاتے تھے۔ آپکا سلسلہ دو واسطوں سے حضرت سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رحمتہ اللہ علیہ سے ملتا تھا۔ یعنی وہ حضرت مرتضیٰ سُبحانی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید تھے اور وہ حضرت شیخ احمد بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ کے اور ان کو شرف بیعت حاصل تھا حضرت محبوب سبحانی غوث صمدانی میران محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی حسنی حسینی رحمتہ اللہ علیہ سے۔ صاحب موج کوثر اور صاحب صوفیائے سندھ کے بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت قلندر صاحبؒ ایک سال متواتر حضرت بابا ابراہیم صاحب قادری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں مصروف عبادت و ریاضت رہے اور اس کی ایک خصوصی مجلس میں قلندر صاحب کو قادریہ سلسلہ کی دستار خلافت سے نواز دیا اور اس طرح آپ اوائل عمر ہیں قادریہ سلسلہ سے وابستہ ہو کر اس سلسلہ کے اہل معرفت میں شمار ہونے لگے۔

شیخ منصور کی خدمت

صوفیائے سندھ کے مصنّف تاریخ سندھ (قلمی) مملوکہ سندھی ادبی بورڈ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ حضرت بابا ابراہیم صاحب قادری رحمتہ اللہ سے شرف بیعت کے بعد کچھ عرصہ تک حضرت قلندر صاحبؒ نے شیخ منصور رحمتہ اللہ علیہ سے بھی اکتساب فیض کیا اور راہ طریقت میں استقامت و کرامت سے نوازے گئے۔

شیخ منصور

حضرت شیخ منصور رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق تاریخ و تذکرہ میں کوئی خاص ذکر نہیں

ملتا ہے۔ البتہ اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آپ سادات افغانستان سے تعلق رکھتے تھے اور حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ سے خصوصی نسبت حاصل تھی۔ بہر حال منصور علیہ الرحمتہ کا تاریخ میں ذکر آئے یا نہ آئے مگر ان کی ذات تصوّف و طریقت میں حضرت قلندر صاحب کے لئے بڑی حیثیت رکھتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ حضرت قلندر صاحبؒ سلسلہ تصوف میں حضرت بابا ابراہیم صاحب قادریؒ کے بعد حضرت شیخ منصور صاحبؒ کے بھی مداح نظر آتے تھے اور اکثر ان بزرگوں کا ذکر خیر فرمایا کرتے تھے۔

اعتکاف بر مزار امامؒ رضا

حضرت شیخ منصور کی خدمت سے فارغ ہونے کے بعد حضرت قلندر صاحبؒ اشارہ غیبی کی بناء پر اپنے وطن مروند سے عراق تشریف لے گئے اور وہاں سے ایران تشریف لائے اور حضرت امام رضا صاحبؒ کے مزار پُر انوار پر حاضری دی۔ چند دن نماز اور تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد مزار پر حکم ہوا اور آپ اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر خانقاہ رضویہ میں معتکف ہو گئے۔ اعتکاف کا سلسلہ چالیس دن جاری رہا اور آخری ایام میں آپ کو حکم ملا کہ عراق و حجاز میں حاضر ہوں اور وہاں حج بیت اللہ اور زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف حاصل کریں۔ چنانچہ آپ امام رضا صاحبؒ سے روحانی اجازت لینے کے بعد عراق تشریف لے گئے اور سب سے پہلے آپ نے حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر حاضری دی اور چند دن قیام فرمایا۔ پھر اپنے دادا پیر حضرت سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سلسلہ قادریہ کی اس بنیادی خانقاہ میں آپ نے بڑا سکون محسوس کیا اور ایسا معلوم ہوا کہ جیسے ایک تھکا ماندہ مسافر اپنی منزل مقصود کو پا گیا ہو۔ بارگاہ غوثیہ سے حضرت قلندر صاحبؒ نے بڑے روحانی فیوض حاصل کئے۔ جتنے دن رہے عبادات سے فراغت کے بعد مزار شریف کے متصل تلاوت اور مراقبہ میں مصروف رہے اور انوار و برکات اور صفائے قلب و روح کی دولتیں حاصل فرماتے رہے۔

بارگاہ قادریت سے اعزاز قلندری

حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ کے مزار شریف پر آپ نے جو روحانی سکون اور قلبی اطمینان حاصل کیا اس کے پیش نظر آپ کا دل چاہتا تھا کہ زندگی کے سارے ایام خانقاہ قادریہ غوثیہ میں گزار دیئے جائیں مگر قدرت نے آپ کے لئے سندھ کی سرزمین پسند فرمائی تھی اس لئے کسی جگہ بھی رہنے اور رُکنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ چنانچہ جب تک حکم مالک ہوا آپ حاضر رہے اور ایک ایسا بھی وقت آیا کہ حضرت غوث پاک علیہ الرحمتہ خواب میں جلوہ فرما ہوئے حضرت قلندر صاحبؒ کو سینے سے لگاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ عثمان! تم ہمارے ''قلندر'' ہو اب تمہارا کام ہو چکا ہے۔ بغداد سے مکہ جاؤ اور اللہ کے گھر کا قرب حاصل کرو۔ حضرت قلندر جب بیدار ہوئے اور اسی وقت مکّہ کی نیت سے روانہ ہو گئے۔

بیت اللہ کا دیدار

حضرت قلندر صاحبؒ حسب الحکم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ بغداد سے مکہ کے لئے روانہ ہوئے۔ بغداد سے حجاز تک پا پیادہ سفر کیا اور راستے میں جملہ مقامات مقدسہ کی زیارت کا شرف حاصل کرتے ہوئے مکّہ پہنچے۔ ارادت مندوں کے بیان کے مطابق بغداد سے کربلائے معلیٰ حاضر ہوئے اور جملہ شہدائے کربلا رضی اللہ عنہم خصوصاً حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے مزارات پر حاضری دی۔ چند دن مقیم رہ کر نجف اشرف گئے اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک پر حاضر رہ کر روحانی استفادہ حاصل کیا اور اپنے دادا پیر حضرت غوث صمدانی کے ارشاد کے مطابق مکّہ کی نیت سے روانہ ہو گئے راستہ میں جہاں بھی گزر ہوا وہاں کے آثار مقدسہ اور مزارات متبرکہ پر حاضر ہوتے رہے اور فاتحہ پڑھتے رہے۔ زمین حجاز پر قدم رکھا تو آنکھیں دیدار کعبہ کے لئے انتظار کی گھڑیاں گنتی رہیں اور

دل اس سعادت عظمیٰ کے لئے تڑپنے لگا۔ حرم شریف میں داخل ہوئے۔ نظریں کعبہ پر جم گئیں اور دل اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے تصوّر سے لرزنے لگا۔ طواف کعبہ سے فارغ ہوئے تو مقام ابراہیم میں سجدہ ریز ہوئے۔ پھر چاہ زمزم پر آئے اور آب زمزم پیا اور سعی مروہ صفا کی سعادت حاصل کی۔ حضرت قلندر صاحبؒ جب مکہ معظمہ پہنچے تو حج بیت اللہ میں تین 3 ماہ کی دیر تھی۔ آپ تین ماہ مکہ ہی میں مقیم رہے اور یہ تمام دن آپ نے عبادت و ریاضت میں گزارے۔ دنیائے اسلام سے تشریف لائے ہوئے مشائخ و علما کی خدمت میں حاضری دیتے اور استفادہ فرماتے حج کی سعادت سے مشرف ہونے کے بعد آنکھیں مدینتہ الرسول کی جانب اٹھنے لگیں اور آپ ماہ محرم کے شروع میں حجاج کے ایک قافلہ کے ساتھ مدینہ طیبّہ کے لئے پاپیادہ روانہ ہو گئے۔

مدینہ شریف میں حاضری

حضرت قلندر صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پیدائشی عشق عطا فرمایا تھا۔ مکّہ سے مدینہ تک کا پورا سفر آپ نے بڑے اشتیاق اور شوق دیدار سے پورا کیا۔ راستہ بھر دیدار مصطفیٰ کے شوق میں ساعتیں کاٹتے رہے آخر وہ وقت آگیا جب گنبد خضرا سے آنکھوں نے نور و سکون حاصل کیا۔ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور پھر بارگاہ رسالت مآب میں سلام عرض کیا۔ دیر تک سر جھکائے فخر کونین کی خدمت میں اپنے عقیدت و محبت کے پھول پیش کرتے رہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت قلندر صاحبؒ گیارہ مہینے مدینہ طیبّہ میں مقیم رہے اور دیدارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی برکتوں سے مستفیض ہوتے رہے۔ اور پھر اسی جگہ سے آپکو اشارہ ہوا کہ ہندوستان میں اللہ کے بندے تمہاری ملاقات کے منتظر ہیں۔ ان کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمہیں مقرر فرمایا ہے۔ اب وہیں جاؤ اور سندھ و پنجاب کے باشندوں کو دین کی دولت سے مالا مال کرو۔

دوسرا حج بیت اللہ

حضرت قلندر صاحبؒ نے قدرتی اشارے کی پوری پوری پابندی کی اور اس پر عمل کرنیکے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آخری سلام اور آخری التجائیں عرض کرنے کے بعد ذیقعدہ کے شروع میں مکہ معظمہ کیلئے روانہ ہو گئے۔ مکہ میں کچھ عرصہ قیام فرمایا۔ دوسرا حج ادا کیا اور پھر آپ عراق واپس آئے۔ دیار غوث لاعظم رحمتہ اللہ علیہ میں پہنچ کر خانقاہ غوثیہ میں حاضری دی۔ مزار مبارک پر سلام عرض کیا اور حکم کی تعمیل سے جو سعادت و شرف حاصل ہوا تھا اسکے سلسلہ میں روح غوث پاکؒ سے دیر تک راز و نیاز ہوتے رہے اور یہ بھی عرض کر دیا کہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضری کے بعد ہندوستان جانے کا حکم ملا ہے۔ چند روز قیام کے بعد روح غوث پاکؒ سے مستقبل کی کامیابی کیلئے دعا کی درخواست کی اور عازم ہندوستان ہو گئے۔

خانقاہ غوثیہ سے روانگی

حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ سے حضرت قلندر صاحبؒ کی عقیدت عشق کی حد تک پہنچی ہوئی تھی اور یہ دولت حضرت بابا ابراہیم قادری رحمتہ اللہ علیہ کے واسطے سے حاصل ہوئے تھی۔ پہلی حاضری اور دوسری حاضری میں جتنے دن آپ بغداد میں حاضر رہے حضرت غوث صمدانی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر رہ کر فیض و برکات حاصل کرتے رہے۔ اگر اشارہ غیبی ہوتا تو شاید آپ اپنی زندگی خانقاہ غوثیہ کی جاروب کشی میں گزار دیتے مگر قدرت آپ سے سندھ میں اسلام کی خدمت لینا چاہتی تھی اس لئے دربار غوثیت سے اجازت لینے کے بعد آپ عازم سندھ ہو گئے تاکہ غیبی اشارہ کے مطابق عمل کر کے اللہ تعالٰی کی رضا حاصل کریں۔

ایران و مکران میں قیام

بغداد شریف سے سندھ کے لئے روانہ ہوئے تو پہلے ایران تشریف لائے اور

حضرت امام رضا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے روضہ مبارک پر حاضری دی۔ یہ دوسری حاضری تھی۔ مختصر قیام میں بہت کچھ حاصل کیا۔ اسکے بعد ایران اور اسکے اطراف میں مقیم مشائخین سے ملاقاتیں فرمائیں۔ سب سے فیضیاب ہوتے ہوئے اور سب کی دعائیں لیتے ہوئے مکران میں تشریف لائے۔ چند روز قیام فرمایا اور مکران میں خدمت اسلام کے فریضے کو انجام دینے والے بزرگوں سے ملاقات فرمائی علما اور مشائخ سبھی کی خدمت میں حاضری دی۔ جہاں بھی گئے اور جس سے بھی ملے ہر جگہ نظر محبّت سے نوازے گئے۔ بس ایک ہی خیال تھا کہ سندھ کی سرزمین پر پہنچوں اور وہ فرائض ادا کروں جس کے لئے غیبی اشارہ ملا ہے۔ چنانچہ مشائخین کرام سے اس مقصد میں حصول کامیابی کے لئے دعائیں کراتے ہوئے مکران سے علاقہ سندھ میں داخل ہو گئے۔

سندھ میں آمد

حضرت لعل شاہ باز قلندر رحمتہ اللہ علیہ مکران سے براستہ بلوچستان سندھ میں تشریف لائے مگر قدرت کو ابھی یہ بات منظور نہیں تھی کہ آپ اپنے اصلی مقام (سہون) میں قیام پذیر ہوں۔ اس لئے آپ بہت تھوڑے دن سندھ میں ٹھیرے اور پاک و ہند کے بعض مشہور بزرگوں کی ارواح سے روحانی استفادہ کے لئے سندھ سے مارواڑ کی سرزمین کو طے کرتے ہوئے سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت بابرکت میں اجمیر شریف حاضر ہو گئے۔

اجمیر و دہلی کی حاضری

حضرت قلندرؒ نے اجمیر شریف میں چالیس دن سے زیادہ قیام کیا اور اس عرصہ اپنا تمام وقت عبادت و ریاضت کے علاوہ حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمتہ کی خدمت میں حاضر رہ کر مراقبہ میں صرف کیا۔ اس دربار کی حاضری سے آپ بہت مسرور ہوئے اور باطنی

فیوضات سے مالامال کئے گئے۔ کہتے ہیں کہ آپ عصر کے وقت درگاہ شریف میں آتے تھے اور صبح فجر تک بیدار رہ کر حضرت خواجہ سے روحانی استفادہ فرماتے رہتے تھے۔ دن کا حصہ مزار شریف سے متصل اس پہاڑی پر گزارتے تھے جسکو تارا گڑھ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ غرض اجمیر شریف میں آپکی حاضری پسند کی گئی اور آپ حضرت خواجہ غریب نواز کے باطنی اشارہ کو پاکر اجمیر سے عازم دہلی ہوگئے۔

دہلی میں حضرت لعل شاہ باز قلندر صاحبؒ نے سب سے پہلے حضرت قطب الا قطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دی اور ایک چلہ پورا مصروف عبادت وریاضت رہے اسکے بعد دوسرے بزرگوں کے مزارات پر ایصال ثواب کیلئے تشریف لے گئے۔ حضرت قطب الا قطاب کے یہاں حاضری سے حضرت قلندر صاحبؒ کو بہت کچھ ملا اور حضرت قطب الا قطابؒ نے اپنے مہمان کو بہت اچھی طرح نوازا اور بڑی محبت کے ساتھ روحانی اشارہ فرمایا کہ وہ کرنال میں بو علی شاہ قلندر رحمتہ اللہ علیہ سے نیاز حاصل کرتے ہوئے ملتان چلے جائیں کیونکہ ملتان کی حاضری کے بعد ان کی اصلی منزل سامنے آئیگی اور وہ اپنا کام انجام دے سکیں گے۔ حضرت قلندر شاہ باز صاحبؒ جن بزرگوں کے مزارات پر حاضر ہوئے۔ یا جن سے آپ نے ملاقات فرمائی ان کا مختصر تذکرہ ملاحظہ کیجئے۔

لعل شاہ باز کی بُو علی قلندر سے ملاقات

حضرت لعل شاہ باز قلندر رحمتہ اللہ علیہ دہلی سے رخصت ہو کر حضرت بو علی شاہ قلندرؒ کی خدمت میں پانی پت پہنچے اور کچھ عرصہ ان کی خدمت میں حاضر رہ کر منازل سلوک طے کیں اور قلندری کے ان رموز کو حاصل کیا جن کو کسی قلندر ہی کی خدمت میں رہ کر حاصل کیا جا سکتا ہے۔ حضرت بو علی شاہ قلندر رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کی طرف پوری توجہ فرمائی۔ جب تک رہے بڑی محبت سے پیش آتے رہے اور جب پورے طور پر فیضیاب ہو چکے تو حضرت بو علی شاہ قلندر رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ عثمان (لعل شاہ باز) تم ہمارے دوست ہو۔

ہم تم سے محبت کرتے ہیں۔ تمہارا راستہ صاف ہو چکا ہے ہم تم کو یہیں کہیں رہنے کا حکم دیتے مگر اس علاقہ میں بہت قلندر ہیں اور سندھ کی زمین پر تم جیسے قلندر کی ضرورت ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ سندھ کی جانب جایئے۔ پہلے ملتان میں قیام کیجئے اس کے بعد اپنا مستقل مستقر تلاش کیجئے مجھے امید ہے کہ سندھ کی سرزمین پر بسنے والے اللہ کے بندوں کو تمہاری ذات سے بہت فیض پہنچے گا۔

حضرت لعل شاہ باز صاحبؒ نے اپنے محسن و مخلص حضرت بو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ کو قبول فرمایا اور پانی پت سے رخصت ہو کر ملتان تشریف لائے اور اس علاقہ کے مشاہیر اولیاء اللہ کی خدمت میں رہ کر مصروف ریاضت ہو گئے۔

لعل شاہ باز لاہور میں

حضرت لعل شاہ باز قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے پانی پت میں جتنے عرصہ قیام کیا، ریاضت و عبادت میں مصروف رہے۔ مختلف بزرگوں سے ملاقات کی اور ان کے مزارات پر حاضری دی اور روحانی تعلیم و تربیت کے بعد جو کچھ آپکو حاصل ہوا تھا اس میں پانی پت کی حاضری اور حضرت بو علی شاہ قلندر کی نظر التفات نے خاصہ اضافہ کیا اور آپ اکتساب فیض سے سرفراز ہو کر حسب الحکم حضرت بو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ ملتان کے لئے روانہ ہوئے۔

کہتے ہیں کہ پانی پت سے ملتان کا سفر لعل شاہ باز نے لاہور کے راستے طے کیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ لاہور میں چالیس دن سے زیادہ مقیم رہے تھے اس عرصہ میں زیادہ وقت آپکا حضرت داتا گنج بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر گزرتا تھا۔ آپ نے لاہور میں آرام فرمانے والے دوسرے بزرگوں کے مزارات پر بھی حاضری دی۔ خصوصاً حضرت شیخ حسین زنجانی، حضرت سیّد یعقوب زنجانی اور حضرت سید اسحاق زنجانیؒ کے مزارات پر حاضر ہوئے اور مراقبہ کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہ تینوں حضرات آپس میں رشتہ دار تھے اور حضرت داتا

گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ سے کچھ پہلے لاہور آئے تھے۔ان حضرات نے اس علاقہ میں اسلام کی اشاعت میں خاصی کوشش فرمائی اور بہت سے لوگوں کو اسلام لانے کی توفیق ملی۔ حضرت داتا گنج بخش صاحبؒ 431ھ میں لاہور تشریف لائے تھے۔ جس دن آپ نے لاہور میں قدم رکھا اسی دن حضرت شیخ حسین زنجانیؒ نے وفات فرمائی دونوں ساتھی بزرگ پہلے ہی اللہ کو پیارے ہو چکے تھے۔ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ لعل شاہ باز صاحبؒ لاہور سے سیالکوٹ بھی تشریف لے گئے تھے۔اور چند روز آپ نے حضرت سیّد امام علی لاحق کے مزار پر مراقبہ فرمایا تھا۔

لعل شاہ باز ملتان میں

حضرت لعل شاہ باز صاحبؒ لاہور اور سیالکوٹ کے بعد ملتان تشریف لائے اور یہی وہ جگہ ہے جہاں سے آپ اپنے اصلی مستقر سیوستان (سہون) میں قدم رنجہ فرمائینگے ملتان میں کچھ عرصہ ٹھیرنے کی طرف حضرت بو علی شاہ قلندر رحمتہ اللہ علیہ نے جو اشارہ فرمایا تھا اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں ملتان شہر جلیل القدر بزرگوں کا مرکز تھا۔

ان تینوں بزرگوں کے نام یہ تھے۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ۔ حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی اور حضرت جلال الدین بخاری۔ایک اور چوتھے بزرگ کا ذکر بھی کیا گیا ہے اور وہ حضرت بہاؤالدین زکریا کے فرزند نامدار شیخ صدرالدین عارف ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت لعل شاہ باز صاحب کی رہنمائی فرما رہا تھا۔ مشیت یہ تھی کہ آپ اپنے اصلی مستقر پر قیام پزیر ہونے سے پہلے سلوک وطریقت کی وہ تمام منزلیں طے کرلیں جس کی ایک سالک وعارف کو ضرورت ہوتی ہے اور جن کے بغیر کوئی شخص جادہ زہد و قناعت پر اپنی استقامت کا ثبوت نہیں پیش کر سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت قلندر صاحبؒ نے ان چاروں بزرگوں کی صحبت سے اچھی طرح فیض حاصل کیا اور بہت دن ان سب حضرات کے قرب میں رہ کر ریاضت وعبادت کی منازل طے کیں اور تصوف سلوک پر مذاکرات ہوتے رہے۔

تذکرہ نگاروں نے اس دور کو چار یاروں کا دور کہا ہے یعنی مذکورہ بالا حضرات اور چوتھے حضرت لعل شاہ باز قلندر صاحبؒ۔

لعل شاہ باز سیوستان میں

اب وہ زمانہ پورا ہو چکا تھا جس میں حضرت لعل شاہ باز قلندر رحمتہ اللہ علیہ کو اکتساب فیض اور تعلیم و تربیت کی ضرورت تھی۔ طویل سیر و سیاحت اور عرصہ تک دہلی و پانی پت کے قیام اور پھر لاہور وغیرہ کے بعد ملتان آپ کے حصول علم اور اکتساب فیض کی آخری منزل تھی۔ بزرگوں کی صحبت نے اب آپکو اس قابل بنا دیا تھا کہ آپ اپنے اصل مستقر سیوستان کی طرف جائیں اور اس علاقے کے باشندوں کو دین اسلام اور اخلاق و اعمال کی تعلیم دیں اور ان کو گناہوں میں ڈوبی ہوئی زندگی سے نکال کر اس راستہ پر لگائیں جس کے لئے ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کے نیک بندے کام کرتے رہے ہیں اور اللہ کی مخلوق کو راہ ہدایت پر لگاتے رہے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق حضرت لعل شاہ باز قلندر صاحبؒ ملتان سے سیوستان میں تشریف لے آئے گویا اپنی اُس آخری منزل اور دائمی آرام گاہ میں پہنچ گئے جہاں اللہ کے دین کے لئے کام کرنا تھا اور اللہ ہی کے نام پر جان دے کر دائمی نیند سونا تھا۔

لعل شاہ باز کی خانقاہ

سیوستان مین قدم رنجہ فرمانے کے بعد حضرت قلندر صاحبؒ نے کسبی عورتوں اور انکے آدمیوں کو اللہ تعالیٰ کی مدد سے راہ ہدایت پر لگانے کے بعد دوسرا کام یہ کیا کہ اپنے رہنے کے لئے ایک حجرہ بنایا اور اس کے ساتھ میں ایک خانقاہ تعمیر کرائی جو سیوستان میں ہدایت کا مرکز بن گئی آپ کا زیادہ وقت عبادت و ریاضت میں گزرنے لگا۔ تبلیغ کے لئے آس پاس کے علاقوں میں کبھی آپ تشریف لے جاتے اور دیہات میں جا کر اللہ کے بندوں کو اللہ کے راستہ کی طرف بڑے محبت اور اخلاق سے بُلاتے۔ اللہ تعالیٰ نے زبان میں تاثیر عطا فرمائی تھی جس

سے مخاطب ہو کر کوئی بات فرماتے اس کا اثر ہوتا اور بڑی جلدی اللہ کے بندے آپ کے گرد جمع ہونے لگے۔ خانقاہ میں باہر سے آنے والوں کا ہجوم لگا رہتا۔ اور لوگ آپ کی نصیحتوں پر عمل کر کے دین کے پابند ہو جاتے۔ سیوستان میں اگرچہ پہلے بھی کچھ اللہ والے آئے تھے اور اس سرزمین پر اللہ تعالیٰ کے بندوں کو ہدایت کی طرف بلانے کی کوشش کرتے رہے مگر حضرت قلندر صاحبؒ کی تبلیغ نے بڑا کام کیا اور ہزاروں بھٹکے ہوئے بندے راہ ہدایت پر آگئے اور آپ کی خانقاہ فیض پانے والوں سے ہر وقت بھری نظر آنے لگی۔

لعل شاہ باز کیوں کہتے ہیں

جس طرح حضرت لعل شاہ باز قلندر نام مشہور ہونے کے سلسلہ میں بہت سی باتیں بیان کی جاتی ہیں اسی طرح لفظ قلندر سے پہلے لعل شاہ باز کے لفظ کے لگائے جانے کی بھی بہت سی وجوہات اور واقعات ہیں۔ چنانچہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ لال رنگ کو بہت پسند کرتے تھے ہر وہ چیز جس کا رنگ لال ہوتا تھا آپ کو اچھی معلوم ہوتی تھی اور آپ اسے بہت غور سے دیکھتے رہتے تھے۔ اور یہ بات بھی مشہور اور معروف ہے کہ آپ لال رنگ کا لباس استعمال کیا کرتے تھے اور چلنے پھرنے اور عبادت و تبلیغ کرنے میں بڑے جان باز اور بہت تیز واقع ہوئے تھے اس لئے لال کے ساتھ شاہ باز کا لفظ بھی آپ کے لئے استعمال کیا جانے لگا۔

ایک بات یہ بھی بیان کی جاتی ہے کی آپ سفید لباس پہنا کرتے تھے مگر ایک مرتبہ دہلی میں ایک مولوی صاحب اپنے وعظ میں سُرخ رنگ کا ذکر کر رہے تھے اور فرما رہے تھے۔ کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو سُرخ رنگ بہت پسند تھا چنانچہ اسی دن سے آپ نے سُرخ رنگ اختیار کر لیا۔ اور ایک قصہ یہ بھی مشہور ہے کہ آپ عالم جذب میں چھوٹے چھوٹے پتھروں سے کھیل رہے تھے ان کو آسمان کی طرف اُچھالتے تھے اور پھر اپنے کرتے کا دامن پھیلا کر ان کو دامن میں لے لیا کرتے تھے کسی شخص نے کہا کہ کیا پتھروں سے کھیل رہے ہو، تم جیسے اللہ والے کو تو لعلوں سے کھیلنا چاہیے۔ آپ نے یہ بات سُن کر کُرتے کا دامن

چھوڑ دیا۔ اور وہ پتھر جو کرُتے کے دامن میں تھے سب لعل بنکر زمین پر گر گئے اور چاروں طرف سُرخ روشنی سی پھیل گئی۔ اور آپ اس دن سے لعل شاہ باز کہے جانے لگے۔ یہ نام دو طرح لکھا ہوا کتابوں میں ملتا ہے۔ ایک ''لعل شہباز قلندر'' اور دوسرے ''لال شاہ باز قلندر'' غرض صحیح حال تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ محمد عثمان کو لعل شہباز قلندر یا لال شاہ باز قلندر کے کہنے کی اصلی وجہ کیا تھی۔ کچھ لوگ آپ کے نام کے ساتھ مخدوم کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کو مخدوم کا خطاب ملتان سے ملا تھا جب آپ ملتان میں حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس منازل سلوک طے فرما رہے تھے۔

رنگ قلندری کا غلبہ

حضرت لعل شاہ باز قلندر رحمتہ اللہ علیہ کی عمر کے آخری ایام جذب و سُکر کے ایام تھے۔ قلندرانہ کیفیت طاری رہنے لگی تھی چنانچہ آپ بہت کم حجرہ سے باہر تشریف لاتے تھے مگر اسی حالت جذب میں بھی جب کوئی شخص بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھتا تھا یا اذان کی آواز آتی تھی تو فوراً ہوش میں آجاتے تھے۔ یہ بات بھی عام طور پر مشہور ہے کہ آپ کے سامنے جب کوئی شخص حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا نام لیتا تھا تو آپ ہوش میں آکر بلند آواز سے فرمایا کرتے تھے کہ '' ھٰذا مرشدی ھٰذا مرشدی۔"

کہتے ہیں کہ جذبِ سُکر کا عالم ایک سال سے کم عرصہ قائم رہا اور آپ نے جب وفات فرمائی تو شعبان کی چاند رات سے یہ حالت بالکل ختم ہوگئی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کبھی آپ پر جذب کا عالم طاری ہی نہیں ہوا تھا۔ صوفیائے سندھ کا بیان ہے کہ "آخر عمر میں آپ نے قلندریہ مشرب اختیار کر لیا تھا اور جذب و سُکر کی کیفیت طاری رہنے لگی تھی اور آپ کے قلندروں کو لعل شہبازیہ کہتے ہیں۔"

لعل شاہ باز عالم تھے

شیخ محمد اکرام صاحب نے اپنی کتاب موج کوثر میں ایک انگریز مؤرخ کے حوالہ

سے لکھا ہے کہ حضرت قلندر صاحب بہت بڑے عالم اور بہت سی زبانوں کے جاننے والے تھے اور علوم صرف نحو میں پوری مہارت رکھتے تھے۔

حضرت قلندر صاحبؒ چونکہ مذہبی علوم کے عالم تھے اور فارسی و عربی زبان پر پورا عبور رکھتے تھے اس لئے اکثر اہل علم آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور مسائل و قواعد میں آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ملتان میں حضرت زکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ نے جو مدرسہ قائم کیا تھا اس میں آپ نے کچھ عرصہ درس و تدریس کی خدمت بھی انجام دی تھی۔ اور صرف و نحو کے شائقین خاص طور پر آپ سے سبق لیا کرتے تھے۔

شاعری کا ذوق

حضرت قلندر صاحب حمتہ اللہ علیہ شعر و سخن سے بھی دلچسپی رکھتے تھے بلکہ اپنے دور میں شعرائے صوفیاء میں ممتاز مقام کے مالک تھے۔ صوفیائے کرام کی محفلوں میں آپ کی غزلیات سماع کی جان ہوا کرتی تھیں۔ آپ عثمان تخلص فرماتے تھے اور اس نام سے بڑی محبت رکھتے تھے عقیدت مندوں نے آپکو متعدد القاب و خطاب دیئے اور وہ سب حیات ہی میں بکثرت استعمال ہونے لگے مگر آپ اسوقت بہت خوش ہوتے تھے جب کوئی شخص آپ کو محمد عثمان یا عثمان مروندی کہکر مخاطب کیا کرتا تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ یہ نام مجھے اس لئے محبوب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ اصلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں میرے آقا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو منسوب ہوئی تھیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا تھا کہ اے میرے حبیب! عثمانؓ کی پہلی بیوی رقیہؓ انتقال کر گئی ہیں اور وہ مغموم رہتے ہیں لہٰذا آپ اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم کو ان کے نکاح میں دیدیجئے۔ یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا احترام کیا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے میرے والد ماجد کو آپ سے غیر معمولی محبت تھی اور انہوں نے میرا نام عثمان رکھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا ہوں اور شاعری میں اپنے نام کو ہی تخلص قرار دیا ہے۔

حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کس درجہ محبت فرماتے تھے؟ اسکا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے جس کو اکثر حضرت قلندر صاحبؒ بیان فرمایا کرتے تھے۔ حضرت قلندر صاحبؒ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ میں اپنے بستر پر آرام فرمارہے تھے۔ آپؐ اس وقت جو تہبند باندھے ہوئے تھے وہ ذرا اوپر چڑھ گیا تھا اور آپؐ کی آدھی پنڈلی کھل گئی تھی۔ حضرت سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح لیٹے رہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو پھر حضورؐ اسی طرح لیٹے رہے پھر اسکے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلدی سے اُٹھ گئے اور اپنے تہبند کو آپؐ نے نیچے کر لیا اور کھلی ہوئی پنڈلی چُھپالی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ چلے گئے تو پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ اسکی وجہہ کیا ہے کہ ہم دونوں آئے تو آپؐ نے کھلی ہوئی پنڈلی کیطرف کوئی توجہ نہیں فرمائی اور لیٹے بھی رہے مگر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر بیٹھ گئے اور پنڈلی کو تہبند سے چھُپالیا؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ عثمان اللہ تعالیٰ کے بندوں میں ایسے بندے ہیں جنکو اللہ تعالیٰ دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور اسکے فرشتے ان کا ادب کرتے ہیں اور ان سے شرماتے ہیں۔ حضرت قلندر صاحبؒ اس واقعہ کو جب بیان کرتے تھے تو ان کے چہرے پر خوشی کے آثار پیدا ہو جاتے تھے اور حاضرین میں اہل دل حضرات اس موقعہ پر ان کی ذات سے خاصہ روحانی استفادہ کر لیا کرتے تھے۔

مقالات الشعراء، شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ نے حضرت قلندر صاحبؒ کی ایک غزل نقل کی ہے جو اپنی معنویت کے اعتبار سے آج بھی مشائخین حضرات اور صوفیائے کرام کے حلقوں میں مقبول و معروف ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

زعشقِ دوست ہر ساعت درون نارم رقصم　　گہی بر خاک می غلطم گہی بر خارم رقصم
بیاای مطرب مجلس سماع ذوق رادردہ　　کہ من از شادی وصلش قلندر دارم رقصم
شدم بدنام در عشقش بیاای پارسا اکنون　　نمی ترسم زرسوائی بہر بازارم رقصم
مرا خلقی، ہمی گوید گدا چندین چہ می رقصی　　بدل داریم اسراری ازآن اسرارم رقصم
منم عثمان مروندی کہ یار خواجہ منصورم　　ملامت می کند خلقی ومن بردارم رقصم

اس غزل کے علاوہ اور بھی آپ کی غزلیات کا ذکر ملتا ہے اور وہ حضرات صوفیاء میں مقبول بھی ہیں حضرت قلندر صاحبؒ کی تمام تر شاعری عشق و محبت سے بھری ہوئی ہے اور ہر شعر اپنے اندر درد کی ایک داستان لئے ہوئے ہے۔

قلندر صاحبؒ کی وفات

حضرت لعل شاہ باز قلندر رحمتہ اللہ علیہ جسوقت سیوستان یعنی سہون شریف میں تشریف لائے تو ان کی عمر کا بڑا حصہ گزر چکا تھا۔ تذکرہ نگاروں کے بیان کے مطابق نوے سال سے زیادہ کی عمر ہو چکی تھی مگر اللہ نے آپکے اعضا میں بڑی قوت عطا فرمائی تھی کہ آپ اس عمر میں بھی میلوں پیدل سفر فرماتے تھے اور دیہات میں جا کر اللہ کے دین کیلئے لوگوں کو دین کی باتیں بتاتے تھے آپ نے آٹھ سال کے قریب سیوستان میں قیام فرمایا اور یہاں اپنی قائم کردہ خانقاہ سے اسلام کا نور پورے سندھ اور دور دور دراز تک پھیلاتے رہے۔ آپکی ذات سے ہزاروں انسانوں نے ہدایت کا راستہ پایا۔ اور اپنے بگڑے ہوئے اخلاق و اعمال کو سنوارا۔ بھٹکے اور بہکے ہوئے لوگ اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہونے لگے۔ آپ نے اس علاقہ میں پھیلی ہوئی جہالت کو بھی دور کیا۔ خاندانی رنجشوں کی بناء پر جو لوگ مدتوں سے لڑتے بھڑتے چلے آرہے تھے ان کے دلوں کو رنجش و بغض و عداوت سے پاک کیا اور ان کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ غرض اس قلیل عرصہ میں آپ نے وہ کام کیا جو صدیوں میں کیا جاتا ہے۔۔ چونکہ قدرت اپنا

کام لے چکی تھی اور آپ کی عمر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا اس لئے آخری ایام زندگی میں آپ پر ایسی حالت طاری رہنے لگی کہ سوائے نماز اور دین کی باتوں کے کسی بات کا ہوش نہیں رہا۔ اسی حالت میں آپ نے 21 شعبان 673ھ میں وفات فرمائی اور اسی حجرہ میں سپردِ قبر کئے گئے۔ جو آپ نے اپنی عبادت اور رہائش کے لئے بنایا تھا۔

آخری کلمات

کہا جاتا ہے کہ جب وفات کا وقت قریب آیا تو آپ بالکل ہوش میں آ گئے تھے آپ نے خادموں سے فرمایا۔ مجھے اٹھا کر بٹھا دو۔ خادموں نے حکم کی تعمیل کی اور آپ بلا کسی سہارے کے بیٹھ گئے اور زبان مبارک سے فرمایا۔ کوئی میرا ساتھی نہیں ہے، میرا عمل میرا ساتھ کیا دیگا میرا سب سے بڑا سہارا اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اب میرے رفیق اللہ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ان کے وہ تمام اصحاب ہیں جن کے لئے میرے آقا نے فرمایا ہے کہ میرے تمام صحابی عدل اور انصاف پر ہیں جو بھی ان میں سے کسی کی پیروی کرے گا وہ ہدایت پائیگا اور خاص طور پر وہ چار اصحاب جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انکے جانشین بنے یعنی خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین اور ان چار میں بھی وہ خاص ہیں جن کو بزرگوں نے شیخین کا لقب دیا ہے یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔

ان کلمات کے فرمانے کے بعد آپ نے آسمان کی طرف نظریں اٹھایں اور دونوں ہاتھ بلند کئے اور فرمایا۔ اے اللہ! میں تیرا گنہ گار بندہ محمد عثمان تیری رحمت کا طلبگار ہوں۔ مجھے اپنی رحمت میں چھپا لے تا کہ میں اس عذاب سے بچ جاؤں جو تو نے گنہگار بندوں کیلئے تیار کیا ہے۔ اے اللہ! میں نے اسلام کو تیرا پسندیدہ دین یقین کر کے اسے پھیلانے کی کوشش کی ہے اے اللہ! اگر کوشش میں کوتاہی ہو گئی ہو تو معاف فرما دینا۔ اے میرے رب! میرا ہر قصور معاف فرما اور میری اس دعا کو قبول فرما۔ اے اللہ! اپنے دین کا بول بالا فرما اور اپنے دین

کے راستہ پر چلنے والوں کو اپنا دوست بنا۔ اے اللہ ! جو تیرے بندے تیرے سچے اور آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کریں اور تیرے مقبول بندوں میں خلفاء راشدین کے نقش قدم کو سامنے رکھیں اور ان ہی کے بتائے ہوئے راستہ پر چلتے رہیں ان کو دنیا اور آخرت میں اپنا دوست بنانا اور ان کے درجات کو بلند فرمانا۔ اسکے بعد کہا جاتا ہے کہ آپکے ہاتھ بستر پر گر پڑے جسم سیدھا ہو گیا اور زبان کلمہ طیّبہ پڑھتے ہوئے خاموش ہو گئی۔

مقبرہ کی تعمیر

حضرت لعل شاہ باز رحمتہ اللہ کا روضہ پہلی مرتبہ سیوستان کے حاکم ملک رکن الدین عرف بختیار الدین نے بڑی عقیدت سے تعمیر کرایا۔ یہ فیروز شاہ کی حکومت کا زمانہ تھا۔ فیروز شاہ جلال الدین خلجی کا لقب تھا۔ یہ خاندان غلامان کی حکومت ختم ہونیکے بعد ہندوستان کے تخت پر بیٹھے تھے اور برسوں حکومت کرنیکے بعد 1295ھ میں فوت ہوئے۔ یہ سلطان بڑے بہادر دلیر اور حوصلہ مند تھے باوجود بڑھاپے کے ان میں سلطانی کے جملہ جوہر پائے جاتے تھے۔ انہوں نے دکن پر کئی حملے کئے اور دیوگری کے راجہ کو شکست دی۔ جلال الدین خلجی عرف فیروز شاہ کے بعد انکے فرزند علاؤالدین خلجی تخت نشین ہوئے اور بیس سال بڑی کامیابی سے حکومت کی۔ چتوڑ اور جیسلمیر کے قلعے بھی علاؤالدین نے فتح کئے تھے۔ بختیار الدین سیوستان کے حاکم کو جلال الدین فیروز شاہ نے مقرر کیا تھا۔ یہ حاکم حضرت لعل شاہ باز صاحبؒ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے اور سیوستان میں حکومت کرنے اور انتظام کرنے میں حضرت قلندر صاحبؒ کے ہر اشارہ کے منتظر رہتے تھے۔

اخلاق و عادات

اسلام کی اشاعت میں سب سے زیادہ جس چیز نے کام کیا ہے اور اسکی وجہ سے اس مقصد میں عظیم کامیابی ہوئی ہے وہ بزرگان دین کا اخلاق اور اللہ تعالیٰ کے بندوں سے بلا امتیاز

مذہب وملت حسن سلوک تھا۔ دنیا میں جہاں کہیں اسلام پھیلا اور اسکی جڑیں مضبوط ہوئیں وہ اللہ والوں کے حسن اخلاق ہی کا اثر تھا۔ خود مکہ معظمہ میں جہاں دُنیا بھر کے معائب اور گناہ علانیہ کئے جاتے تھے اوور مذہب کے معاملہ میں ان کی گمراہی کا یہ عالم تھا کہ تین سو ساٹھ بت کعبہ میں رکھے ہوئے تھے اور لوگ اللہ کو بھول کر ان کے پرستار بنے ہوئے تھے۔ ہر قبیلہ کا الگ بت اور الگ اسکے عقائد اور اسکی رسمیں تھیں۔ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں جسقدر کامیابی ہوئی وہ صرف ان کے اخلاق اور حسن سلوک کی وجہ سے ہوئی۔ 13 برس مکہ میں توحید و نبوت کی تبلیغ فرماتے رہے اس عرصہ میں ایک دفعہ بھی آپ کو نہ کسی سے جنگ کرنا پڑی اور نہ بد اخلاقی کی نوبت آئی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لیکر حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ تک صدہا اللہ کے بندوں نے دامن رسالت سے اپنے آپ کو وابستہ کیا مگر صرف آپ کے اخلاق اور آپ کی نرمی محبت اور اُنس و شفقت کی وجہ سے۔ در حقیقت بات یہ ہے کہ جو بات اخلاق و محبت سے منوائی جائی ہے۔ وہ دلوں میں بیٹھ جاتی ہے اور اثر مرتے دم تک زائل نہیں ہوتا۔ ہے بر خلاف اسکے طاقت کے استعمال سے جو چیز قبول کروائی جاتی ہے وہ خوف کی وجہ سے قبول تو کرلی جاتی ہے مگر جب تک طاقت کا خوف رہتا ہے وہ بات بھی باقی رہتی ہے اور جس وقت یہ خوف سامنے سے ہٹ جاتا ہے قبول کی ہوئی بات بھی بھلادی جاتی ہے۔ اور انسان پھر برائی کے راستہ پر لگ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب قرآن کریم میں اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تعلیمات میں اخلاق کی طرف انسانوں کہ بُلاتے ہیں اور ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و قوت کو بٹھاتے ہیں اور اسطرح جو بات دل قبول کرتا ہے وہ کبھی انسان کا ساتھ نہیں چھوڑتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں نے جہاں بھی اسلام کا پیغام سنایا ان کے سامنے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہءحسنہ رہا۔ اور وہ اسی پر عمل کرتے ہوئے اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلاتے رہے اور ہر جگہ کامیاب ہوتے رہے۔

حضرت لعل شاہ باز قلندر رحمتہ اللہ علیہ اگرچہ قلندرانہ زندگی رکھتے تھے مگر تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کے سلسلہ میں ان کی پوری زندگی اسوہء رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ بنی ہوئی تھی۔ وہ جب بھی تبلیغ کی نیت سے اپنی خانقاہ سے باہر قدم نکالتے تھے تو پہلے دیر تک اللہ تعالٰی سے مناجات کرتے تھے اس کے بعد کلمات تبلیغ زبان سے ادا فرماتے تھے۔ اسلام سے محبت، اسلام کی اشاعت اور اسلام کی حقانیت کو واضح کرنے کے لئے ان کا ہر قدم نقش قدم رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے چاروں خلفائے عظام رَضی اللہ عنہم اجمعین کے نقش قدم پر ہوتا تھا۔ وہ اپنی تبلیغ میں بڑے محبت بھرے انداز میں اللہ تعالٰی کی رحمتوں کا ذکر فرماتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بااخلاق اور پاکیزہ زندگی کے واقعات لوگوں کو سناتے تھے چنانچہ یہی ان کا وہ مخصوص اور پسندیدہ طریقہ تبلیغ تھا جس کی وجہ سے ان کو سیوستان میں عظیم کامیابی ہوئی۔ اور ہزاروں انسان گناہوں سے توبہ کرکے اس راستہ پر آگئے جو اللہ کا محبوب و مقبول راستہ ہے۔

حضرت لعل شاہ باز قلندر صاحب کا زیادہ وقت عبادت اور مجاہدے میں گذرتا تھا۔ تھوڑا وقت خانقاہ سے باہر تبلیغ اسلام میں صرف فرماتے تھے اور رات و دن کے مخصوص و مقررہ اوقات میں اپنی خانقاہ کے اندر جمع ہونے والوں کو دین و تصوف کی تعلیم سے مزین کرتے تھے۔ ذاتی خواہشات کا عالم یہ تھا کہ خادم نے وقت پر جو کچھ دستر خوان پر رکھ یا وہ کھا لیا۔ ہمیشہ موٹا کپڑا اور معمولی غذا استعمال فرمائی۔ نہ کبھی پیٹ بھر کر کھایا اور نہ کبھی پوری نیند سوئے۔ کبھی کبھی بستی میں بھی تشریف لے جاتے راستہ میں ہر شخص سے بڑے اخلاق و محبت سے باتیں کرتے اور بچّوں کے سروں پر ہنس ہنس کر ہاتھ پھیراتے اور ان کو اپنے کُرتے کی جیب سے نکال کر پیسے وغیرہ تقسیم کرتے تھے۔ کبھی بہت سا گڑ، چنے اور پھل وغیرہ لیکر نکلتے اور لوگوں کو اس کثرت سے تقسیم کرتے تھے کہ لوگ حیران رہ جاتے تھے کہ اتنا سامان کہاں سے آجاتا ہے۔ بہت سے یتیم بچے اور بیوائیں ایسی تھیں کی خانقاہ سے ان کے روزینے باندھے

ہوئے تھے اور وہ آکر کر لے جاتے تھے۔ مسافروں کا ایک ہجوم رہتا تھا اور آپ ان سب کے کھانے پینے کی ضروریات کا خود انتظام فرمایا کرتے تھے۔ کوئی سائل آپ کی خدمت سے کبھی محروم نہیں گیا۔ بڑی بڑی مشکلیں لوگ لیکر آیا کرتے تھے اور وہ اللہ تعالیٰ حضرت قلندر صاحبؒ کی دعا سے حل کر دیا کرتا تھا آپ کی مادری زبان فارسی تھی، عربی بھی خوب بولتے تھے مگر سیوستان میں آئے تو مقامی زبان میں لوگوں سے اس طرح بات چیت فرمایا کرتے تھے کہ جیسے یہ آپ کی پیدائشی زبان ہو۔ خانقاہ کے ساتھ ایک مسجد بھی تھی جہاں آپ لوگوں کو پانچ وقت جماعت سے نماز پڑھاتے تھے۔ ہر نماز کے بعد حاجت مندوں کا ہجوم آپ کے گرد لگ جایا کرتا تھا۔ اور آپ ہر ایک سے اس کے دکھ درد کی داستان کو پوری توجہ سے سُنا کرتے تھے اور پھر اسے حل کرنیکے لئے تدابیر فرمایا کرتے تھے۔

لعل شہباز قلندر کے ہم سفر اور ساتھی

سید رئیس احمد جعفری

حضرت شیخ العالم بابا فرید الدین گنج شکرؒ

حضرت شیخ العالم بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے اجداد بخارا اور غزنی سے ہندوستان آئے تھے۔ قاضی شعیب اس خاندان کے سردار تھے۔ قاضی شعیب کے بیٹے قاضی سلیمان تھے اور قاضی سلیمان کے فرزند قاضی مسعود تھے اور یہی قاضی مسعود آخر میں شیخ العالم بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے نام سے مشہور ہوئے قاضی شعیب ہندوستان میں آئے تو پہلے قصور میں آکر ٹھہرے پھر کھتوال چلے گئے وہاں ان کے بیٹے قاضی سلیمان کا کم عمر میں انتقال ہو گیا اور اُن کے پوتے مُسعود بہت چھوٹی عمر میں یتیم ہو گئے اور اُن کی والدہ نے اپنے یتیم بچے کی تعلیم و تربیت شروع کی نماز کی پابندی کرانے کے لئے حضرت کی والدہ جائے نماز کے نیچے شکر کی پڑیا رکھ دیا کرتی تھیں اور اپنے بچے مسعود سے فرمایا کرتی تھیں جو بچے نماز پڑھتے ہیں ان کی جائے نماز کے نیچے سے ان کو شکر ملجاتی ہے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ والدہ شکر کی پڑیا رکھنی بُھول گئیں۔ اور انہوں نے گھبرا کر حضرتؒ سے کہا مسعود تم نے نماز پڑھی یا نہیں حضرت نے جواب دیا ہاں اماں نماز پڑھ لی اور شکر کی پڑیا بھی مل گئی۔

یہ جواب سُنکر حضرتؒ کی والدہ کو بہت تعجب ہوا اور وہ سمجھیں کہ اس بچّے کی غیب سے مدد ہوتی ہے۔ اور اس وقت سے اُنہوں نے اپنے بچّے مسعود کو شُکّر بار اور شکر گنج کہنا شروع کیا جو آج تک مشہور ہے۔

تعلیم

حضرت کی والدہ نے حضرتؒ کو کھتوال میں بہت اچھی تعلیم دلوائی تھی۔ مگر جب

یہاں کی تعلیم پُوری ہو گئی تو حضرتؒ کو تعلیم کے لئے ملتان بھیجا گیا جہاں اس وقت بڑے بڑے علماء درس دیتے تھے۔ چنانچہ حضرتؒ ملتان میں تعلیم حاصل کرتے تھے اور ایک مسجد میں رہتے تھے جہاں بہت عرت اور تنگی سے بسر اوقات ہوتی تھی۔

ارادات

ایک دن حضرتؒ اس مسجد میں بیٹھے ہوئے نافع کا مطالعہ کر رہے تھے کہ ایک درویش وہاں آئے جنہوں نے ان کو کتاب کے مطالعہ میں مصرف دیکھ کر پُوچھا۔ یہ کیا پڑھ رہے ہو۔ حضرت نے کتاب سے نظر اُٹھا کر ان درویش کو دیکھا اور جہاب دیا نافع پڑھ رہا ہوں ان درویش نے مُسکرا کر پُوچھا کیا یہ کتاب تم کو کچھ نفع دے گی؟ جہ نہی حضرت کی ان درویش سے آنکھیں چار ہوئیں ایک خاص اثر حضرتؒ کے دل پر ہوا اور حضرتؒ نے کھڑے ہو کر جواب دیا۔ جی نہیں مجھے اس کتاب سے نفع نہیں ہو گا بلکہ آپ کی نظر فیض اثر سے نفع ہو گا یہ کہہ کہ حضرتؒ نے فوراً ان درویش کے قدموں میں سر رکھ دیا اور مان درویش سے کچھ باطنی سوز کے سوالات کئے جن کو باتوں باتوں میں ان درویش نے حل کر دیا حضرت نے ان درویش سے پُوچھا آپ کون ہیں اُنہوں نے جواب دیا میرا نام قطب الدین بختیار ہے اور میں دہلی جا رہا ہوں۔ حضرتؒ نے عرض کی مجھے بھی اپنے ساتھ دہلی لے چلیئے۔ درویش نے فرمایا چلو میرے ساتھ چلو۔

بیعت

دہلی میں آ کر حضرت خواجہ قطب صاحبؒ نے بابا صاحب کو مشائخ دہلی کے مجمع میں مرید کیا اور حضرت سے مجاہدے کرانے شروع کئے۔ کچھ دِن کے بعد وہ دہلی سے ہانسی میں چلے گئے اور وہاں مجاہدے کرتے رہے پھر دہلی میں آئے اور یہاں اور تلقین حاصل کی اور اوچھ تشریف لے گئے اور وہاں جا کر مجاہدے کئے، پھر دہلی میں حاضر ہوئے اور حضرت خواجہ

قطب صاحبؒ نے ان کو خلافت عطا فرمادی۔ یہاں سے حضرت ہانسی میں آئے اور ہانسی سے کھتوال تشریف لائے اور کھتوال میں جب لوگوں کا ہجوم ہوا تو اجودھن میں آکر اقامت اختیار کی جو دریا کے کنارے ایک غیر مشہور مقام تھا اور پھر آخر عمر تک اسی جگہ رہے لیکن دہلی میں حضرت خواجہ قطب صاحبؒ کے پاس آتے رہتے تھے۔

فیضان

ابتدائی زمانہ ہیں ایک دفعہ ایسا ہوا کہ حضرت خواجہ صاحب اجمیرہؒ دہلی میں آتے ہوئے تھے اور حضرت بابا صاحب بھی دہلی میں حضرت خواجہ قطب صاحبؒ کے کے پاس ٹھرے ہوئے تھے۔ حضرت خواجہ صاحب اجمیریؒ نے خواجہ قطب صاحبؒ سے فرمایا آؤ ہم تم دونوں مسعود کو فیض اور نعمت دیں چنانچہ ان دونوں نے بابا صاحب کو بیچ میں کھڑا کر لیا اور دونوں بزرگوں نے بابا صاحب کو کھڑے، ہو کر توجہ دینے شروع کی اور باطنی نعمتوں سے مالا مال کر دیا۔ اس کے بعد حضرت خواجہ قطب صاحبؒ نے بابا صاحب سے فرمایا۔ مسعود دادا پیر کے قدموں میں سر رکھو بابا صاحب نے حضرت خواجہ صاحبؒ کے قدموں میں سر رکھ دیا۔ خواجہ صاحبؒ نے فرمایا میں کہتا ہوں دادا پیر کے قدموں میں سر رکھو تم میرے قدموں میں سر جھکاتے ہو۔ بابا صاحب نے جواب دیا ان قدموں کے سوا اور قدم نظر نہیں آتے۔ یہ جواب سُن کو حضرت خواجہ صاحب اجمیریؒ نے فرمیا۔ بختیار نہ بختیار مسعود ٹھیک کہتا ہے۔ وہ منزل کے دروازے پر پہنچ گیا ہے۔ جہاں وحدت کے سوا روئی کا نام باقی نہیں رہتا، پھر کیونکہ اس کو تیرے سوا میں نظر آؤں۔

آخری تبرکات

حضرت خواجہ قطب صاحبؒ کی وفات کے وقت بابا صاحب دہلی میں نہ تھے، ہانسی میں تھے مگر حضرت خواجہ قطب صاحب نے وصّیت فرمادی تھے کہ میرے سب

تبرکات مسعود کو دیئے جائیں اور وہی میرا جانشین ہو چنانچہ وہ ہالنسی سے دہلی میں آئے اور حضرت خواجہ قطب صاحبؒ کا عطیہ خرقہ پہنا اور تبرکات حاصل کئے اور ان کی جگہ پر بیٹھے اور پھر کچھ دن کے بعد خلفت کے ہجوم سے گھبرا کر ہالنسی تشریف لے گئے اور ہالنسی سے اجودہن میں تشریف لے آئے۔ اور یہیں آخر عمر تک قیام فرمایا۔

نظام اوقات

اجودہن میں باباصاحب ہر وقت یادِ خدا میں مصروف رہتے تھے اور ان کی مجلس میں علمی اور روحانی چرچے رہتے تھے۔ آدھی رات تک دروازہ کھلتا رہتا تھا اور لوگوں کی آمد و رفت رہتی تھی ان کی علمیت اتنی اعلیٰ تھی کہ مولانا خواجہ سیّد بدرالدین الحقؒ محض اسی علمیت کی وجہ سے باوجود انکار فصتراد ان کے مرید ہوئے تھے ان کی بات بات میں علمی لطیفے ہوتے تھے ایک دفعہ حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانی نے خط لکھا تو اُسمیں یہ بھی لکھا کہ میری تو تم سے عشق ماری ہے۔ باباصاحب نے جواب دیا میری آپ کی محبّت تو ہے مگر بازی نہیں ہے اسواسطے میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے خطوط میں عشق اور محبّت کی حد کے اندر رہیں بازی تک نہ آئیں۔

بادشاہ کے نام خط

حضرتِ سلطان الشائخ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت شیخ العالم نے دہلی کے بادشاہ بلبن کو کسی شخص کی سفارش لکھی تو عربی زبان میں ایک خط لکھا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے:

میں نے اس شخص کی ضرورت کو خدا کے سامنے پیش کیا پھر تیرے پاس بھیجا اگر تو اس کو کچھ دے گا تو یہ دین اللہ کی ہوگی اور یہ شخص تیرا شکر گذار ہوگا اور کچھ نہ دے گا تو روک خدا کی طرف سے ہوگی۔ اور تو معذور سمجھا جائے گا۔

اس سے حضرت کی فصاحت و بلاضت بھی ظاہر ہوتی ہے اور یہ بھی کہ ان کی نظر ہر وقت اللہ کی طرف رہتی تھی اور اہل دُنیا کی کوئی اہلیت ہیبت اُن کے دل میں نہ تھی۔

ہاتھ کی لکڑی

ایک دفعہ باباصاحب بیمار تھے اور لکڑی کے سہارے چل رہے تھے۔ یکایک لکڑی انہوں نے اپنے ہاتھ سے پھینک دی حاضرین نے وجہ پوُچھی تو حضرت نے فرمایا میرے دل میں خیال آیا کہ میرا چلنا اس لکڑی کے بھروسہ پر ہے اس لئے میں نے اس کو پھینک دیا انسان کا بھروسہ صرف اللہ ہی پر ہونا چاہیئے۔

باباصاحب کا نسب

سیر الاولیاؒ اور دُوسری کُتب تاریخ میں حضرت باباَصاحب کا نسب فاروقی لکھا گیا ہے ۔ لیکن امروسہ کے ایک صاحب نے سیادت فریدی کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی۔ جس میں قدیمی نسب ناموں سے اور نسب کی کُتب تاریخ سے ثابت کیا تھا کہ حضرت باباصاحبؒ سیّد تھے ،فاروقی شیخ نہیں تھے۔

شیخ العالمؒ

آج کل کے زمانے میں حضرت باباصاحبؒ کا مشہور لقب باوا فرید ہے اور باور گنج شکر بھی لوگ لیتے ہیں۔ لیکن گذشتہ زمانے میں حضرتؒ کو شیخ العَالم یا شیخ شیوخ العَالم کہا جاتا تھا۔

مجاھدے

حضرت باباصاحبؒ کے مجاہدوں کے اور سیاحت کے بہت زیادہ قصّے مشہور ہیں۔ لیکن پُرانی کتابوں مین اک ذکر درج نہیں ہے۔ البتہ اُوچھ میں کنوئیں کے اندر لٹک کر جو اُنہوں نے چالیس رات تک صلوات معکوس پڑھی تھی اس کا ذکر سیر الاولیا میں ہے۔

ٹھیکری کا نقش

البتہ بعض پُرانی کتابوں میں یہ دیکھا ہے کہ حضرت زمانہ سیاحت میں جنگل میں جا رہے تھے اور سواری میں ایک گدھا تھا یکایک بارش ہونے لگی۔ قریب میں کہاروں کا ایک مکان دکھائی دیا۔ حضرت وہاں تشریف لے گئے اور کہاروں سے گھر کے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ انہوں نے کہا یہاں ایک عورت کے بچّہ ہونے والا ہے۔ کئی دِن سے درد ہیں۔ بچّہ نہیں ہوتا۔ ایسی حالت میں تم کو جگہ کہاں سے دیں۔ حضرت نے جواب دیا مجھے جگہ دے دو بچّہا بھی پیدا ہو جائے گا۔ کہاروں نے جگہ دے دی تو حضرتؒ نے فرمایا میرے گدھے کو بھی جگہ دو۔ کہاروں نے کہا۔ یہاں آدمی کے لئے تو جگہ ہے نہیں گدھے کو کہاں سے جگہ دیں۔ حضرت نے فرمایا جب تک میرے گدھے کو جگہ نہ دو گے میں بھی اندر نہ آؤں گا۔ آخر مجبوراً انہوں نے گدھے کو بھی جگہ دے دی تب حضرتؒ نے کہاروں کے آدے سے ایک ٹھیکرا اُٹھایا اور کوئلے سے اس پر یہ شعر لکھا۔

مرا جاتے شد خرم اجائے شد　　　تو خواہی بزائی، نہ خواہی مزا

ترجمہ :۔ مجھے جگہ مل گئی اور میرے گدھے کو بھی جگہ مل گئی۔ اَب اے عورت تو چاہے بچّہ جَن یا نہ جَن۔

اس کے بعد حضرتؒ نے وہ ٹھیکری کہاروں کو دی کہ عورت کے پیٹ پر رکھ دو۔ ٹھیکری پیٹ پر رکھتے ہی بچّہ پُیدا ہو گیا حالانکہ اس شہر میں نہ خدا رسول کا نام تھا نہ کوئی اور مبترک عبادت تھی بلکہ ایک ہنسی اور طعن کا شعر ھتا، مگر اس وقت سے آج تک لاکھوں آدمیوں نے ٹھیکری کا یہ تعویذ آزمایا ہے۔ اور اس کی تاثیر کا عجب تماشا دیکھا ہے۔

اولاد

حضرت کے پانچ صاحبزادے تھے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔

اگرچہ حضرت کی زندگی میں اولاد کو خرچ کی ہمیشہ تکلیف رہتی تھی لیکن وفات کے

بعد حضرتؒ کی سب اولاد خوشحال رہی۔ یہاں تک کہ ہندوستان میں جہاں جہاں حضرتؒ کی نسل کے لوگ ہیں سب خوشحال ہیں۔ پنجاب میں حضرتؒ کی اولاد کو چشتی کہا جاتا ہے۔

امرائے پائیگاہ

حیدر آباد دکن میں اُمرائے پائیگاہ بھی حضرت باباصاحبؒ کی اولاد ہیں۔ گزشتہ زمانے میں حیدر آباد کی سب فوج اُن کے اختیار تھی۔ اور اس کے خرچ کے لئے ان کو ایک کروڑ روپے آمدنی کی جاگیر دی گئی تھی۔ پھر اس خاندان کے تین حصّے ہوگئے ایک نواب معین المدولہ مرحوم کے بیٹے نواب ظہیر یار جنگ ہیں جن کی جاگیر تیس لاکھ روپے سالانہ کی ہے۔ دُوسرے نواب خورشید جاہ کی اولاد ہے جن کی جاگیر اٹھارہ لاکھ روپے سالانہ کی ہے۔ تیسرے نواب سر وقار الامرار کی اولاد ہے ان کی جاگیر بھی اٹھارہ لاکھ روپے سالانہ کی ہے اعلیٰ حضرت حضور نظام کے شاہی خاندان کے سب لوگ سُنی ہیں۔ اور دانش مندی اور فقیر دوستی سب میں پائی جاتی ہے۔ اوراب تو حیدر آباد بھی ختم ہوگیا، اُمرائے پائیگاہ بھی!

تین سلسلے

حضرت باباصاحبؒ سے چشتیہ خاندان کے تین سلسلے جاری ہوئے ہیں ایک نظامیہ دُوسرا صابریہ، تیسرا جمالیہ۔ مگر جمالیہ سِلسلہ نظامیوں میں شامل ہوگیا ہے کیونکہ حضرت بَابا صاحبؒ کے خلیفہ اوّل حضرت مخدوم جمال الدین ہانسویؒ کے جانشین ان کے پوتے حضرت مولانا قطب الدین منّور کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیا سے خلافت ملی تھی۔ صابریہ خاندان حضرت مخدوم علاؤالدین علی احمد صابریہؒ سے جاری ہوا۔ جو حضرت باباصاحب کے بھانجے تھے اور جن کا مزار کلیر شریف میں ہے جو رڑکی سہارن پورے کے علاقے میں ہے۔

سید رئیس احمد جعفری

حضرت بہاالدین زکریا سہروردیؒ

حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا قدس سرہ العزیز کے جدید بزرگوار حضرت کمال الدین علی شاہ قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے تھے، آپ مکّہ معظمہ سے خوارزم آئے اور وہاں سے آکر ملتان میں سکونت اختیار فرمائی، یہاں ان کے فرزند وحبیب الدین محمد توکدہوئے، جن کی شادی مولانا حسام الدین ترمذی کی لڑکی ہے ہوئی مولانا حام الدین تاتاریوں کے حملہ کی وجہ سے ملتان کے نواح قلعہ کرور میں متوطن تھے، مولاناو حبیب الدین بھی خسر کے ساتھ قلعہ کروں سی میں رہنے لگے اور یہیں حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا کی اولاد باسعادت ہوئی۔

بارہ سال کے ہوئے تو والد بزرگوار عالم جادانی کو سدھارے۔ والد ماجد کی وفات کے بعد کلام پاک کا حفظ شروع کیا۔ ساتوں قرآتوں کے ساتھ حفظ کر چکے تو مزید تعلیم کے لئے خراسان کی طرف چل کھڑے ہوئے یہاں پہنچ کر سات سال تک بزرگانِ دین سے علوم ظاہری و باطنی کی تحطیل کرتے رہے۔ وہاں سے بخارا جاکر علم میں کمال حاصل کیا۔ ان کے او صافِ پسندیدہ اور کصائل حمیدہ کی وجہ سے بخارا کے لوگ ان کو بہاؤالدین فرشتہ کہا کرتے تھے، یہاں آٹھ سال تک تحطیل علم کرتے رہے، پھر بخارا سے حج کے ارادہ سے مکّہ معظمہ گئے۔ وہاں سے روضتہ اقدس کی زیارت کے لئے مدینہ منوّرہ حاضر ہوئے اور پانچ سال جرارِ رُسول میں زندگی بسر کی۔ اس مدّت میں مولانا کمال الدین محمد سے جو اپنے عہد کے جلیل القدر محدّث تھے۔ حدیث پڑھی۔ مولانا کمال الدین محمد نے ترپن سال تک مجاور کی حیثیت سے حرمِ نبوی کی خدمت کی، حضرت بہاؤالدین زکریارح نے حدیث کی تعلیم سے فراغت کے بعد روختہٴ اقدس کے پاس سرکئہ قلب اور تصفیہ باطن کے لئے مجاہدہ شروع کیا۔ پھر وہاں سے چل کر بیت المقدس پہنچے۔ اور وہاں سے بغداد و تشریف لے گئے۔

بغداد میں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ العزیز کی صحبت سے فیضاب ہو کر خرقہ خلافت پایا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ بہاؤالدین زکریا قدس سرہ نے اپنے مرشد کے پاس صرف سترہ روز قیام فرمایا تھا، کہ ان کو پیر دستگیر کی طرف سے ساری رُوحانی نعمتیں مل گئیں اور خرقہ خلافت سے بھی سرفراز کئے گئے۔ اس سے شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کے مریدوں کے دل مین رشک پَیدا ہوا، اور شیخ سے ژکوہ بھی کیا مگر شیخ نے ان کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا، کہ تم تر لکڑ ی کے مانند ہو جن میں آگ مشکل اور دیر سے لگ سکتی ہے۔ بہاؤالدین زکریا خشک لکڑی کے مانند تھے جس میں آگ جلد اثر کرتی ہے۔

خرقہ خلافت پانے کے بعد حکم مِلا کہ ملتان واپس جاکر قیام کرو، اَور وہاں کے باشندوں کو فیض پہنچاؤ، حضرت جلال الدین تبریزی بھی شیخ الشیوخ کے ساتھ مقیم تھے۔ جب حضرت بہاؤالدین زکریا بغداد سے رخصت ہونے لگے تو غایت محبّت میں وہ بھی اپنے پیر سے اجازت لے کران کے ساتھ ہو گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب دونوں بزرگ نیشاپور پہنچے تو شیخ جلال الدین تبریزی حضرت شیخ فرید الدین عطّارؒ کی خدمت میں تشریف لئے گئے۔ ملاقات کے بعد واپس ہوئے تو حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا نے ان سے دریافت کیا کہ آج کی سیر میں درویشیوں میں کس کو سب سے بہتر پایا، بولے شیخ فرید الدین عطار کو، حضرت بہاؤالدین زکریاؒ نے پُوچھا۔ کہ ان سے کیا کیا صحبت رہی، جواب دیا کہ مجھ کو دیکھتے ہی انہوں نے دریافت کیا کہ آپ، لوگوں کا کہاں سے آناہوا۔ میں نے عرض کی خطۂ بغداد سے آتاہوں۔ پھر استفسار کیا کہ وہاں کون درویش مشغول بحق ہے۔ میں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا نے حضرت جلال الدین تبریزیؒ سے پُوچھا کہ اپنے مرشد شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کا ذکر کیوں نہ کیا جواب دیا کہ شیخ فرید الدین کی عشمت میرے دل پر ایسی چھائی ہوئی تھی کہ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کو بھُول گیا۔ یہ سُن کر شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کو بہت ملال ہوا، اور

وہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ سے علیحدہ ہو کر ملتان چلے آئے، اور حضرت جلال الدین تبریزیؒ خراسان جاکر مقیم ہوئے۔

ملتان کی مدتِ قیام میں نہ صرف ملتان بلکہ سارا ہندوستان حضرت بہاؤالدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ کے فیوض و برکات کے انوار سے منوّر ہو گیا یہاں تک کہ ان کا عہد خیر الاعصار کہا جاتا ہے۔

شیخ محمد نور بخش مؤلف سلسلہ الذہب میں رقمطراز ہیں۔

حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی قدس سرہ ہندوستان میں رئیس الاولیار تھے، علوم ظاہری کے عالم اور مکاشفات و مشاہدوات کے مقامات واحوال میں کامل تھے۔ ان سے اکثر اولیااللہ کے سلسلہ سے منشعب ہوئے لوگوں کو رشد و ہدایت فرمائی اور ان کو کُفر سے ایمان کی طرف معصّیت سے طاعت کی طرف اور نضاںیّت سے روحانیت کی طرف لائے، اور ان کی شان بڑی تھی۔

رشد و ہدایت عوام و خراص دونوں کے لئے تھی اور دونوں طبقوں کو اپنی ذات بابرکت سے فیض پہنچانے کو کوشش فرماتے اس وقت ملتان کا حکمران ناورالدین قباچہ تھا، جو سلطان شمس الدین المتش کا حریف بھی تھا، حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کا قلبی رجحان سلطان التمش کی طرف تھا۔ کیونکہ جیساکہ ذکر آ چکا ہے وہ اپنے زہد و تقوٰے دینداری اور شریعت کی پاسداری کے لحاظ سے اولیا اللہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ ناصر الدین قباچہ نے سلطان التمش کی بڑھتی ہوئی سطوت و قوّت کو دیکھ کر اس کے خلاف معاندانہ سازش شروع کی۔ اُس کو ملتان کے قاضی مولانا شرف الدین اصفہانی اور خود شیخ بہاؤالدین زکریاؒ نے پسند نہ کیا، قاضی شرف الدین اصفہانی بہت ہی متدین عالم تھے انہوں نے دین کی فلاح اسی میں سمجھی کہ سلطان التمش کو قباچہ کی سازش سے مطلع کر دیں۔ شیخ بہاؤالدین زکریاؒ نے بھی ان کی حمایت کہ اور دونوں نے علیحدہ علیٰحدہ سلطان التمش کو خطوط لکھے۔ مگر دونون مجلس میں تشریف لے گئے تو قباچہ

نے شیخ بہاؤالدین زکریا کو اپنی داہنی جانب بٹھایا اور قاضی شرف الدین اصفہانی کو اپنے روبرو بیٹھنے کا حکم دیا۔ اور ان کا خط اُن کے ہاتھ میں دے دیا۔ قاضی شرف الدین اصفہانی نے خط پڑھ کر خاموشی اختیار کی، قباچہ نے غصّہ میں جلاد کو حکم دیا کہ اسی وقت وہ تر تیغ کر دئے جائیں۔ جلادلے آگے بڑھ کر سر قلم کر دیا۔ جب شیخ بہاؤالدین زکریا کے ہاتھ میں ان کا مکتوب دیا گیا، تو اُنہوں نے اس کو دیکھتے ہی فرمایا کہ بے شک یہ خط میرا ہے، مگر میں نے حق توالے کے حکم سے لکھا ہے، اور صحیح لکھا ہے۔ یہ سُن کر قباچہ پر لرزہ طاری ہو گیا اور اس نے معذرت کر کے شیخ بہاؤالدین زکریا کو اعزازہ واکرام کے ساتھ رخصت کر دیا۔

مگر خلق اللہ کی خاطر شاہی حکام کے ساتھ اشتراک عمل کرنے میں بھی دریغ نہ فرماتے۔ ملتان میں ایک بار سخت قحط پڑا، وائی ملتان کو غلّہ کی ضرورت ہوئی۔ شیخ بہاؤالدین زکریا نے غلّہ کی ایک بڑی مقدار اپنے ہاں سے اس کے پاس بھیجی، جب غلّہ اس کے پاس پہنچا تو اس کے انبار سے نقرئی سکے کے سات کرزے بھی نکلے، والئی ملتان نے شیخ کو اس کی اطلاع دی انہوں نے فرمایا ہم کو پہلے سے معلوم تھا، لیکن غلّہ کے ساتھ اسے بھی ہم لے بخشا۔

شیخ بہاؤالدین زکریا کے مطبخ میں طرح طرح کے کھانے پکتے تھے، مگر شیخ کو ان نعمتوں کے کھانے میں اسی وقت لذّت ملتی، جب وہ مہمانوں مسافروں اور درویشوں کے ساتھ مل کر کھاتے۔ جو شخص کھانا رغبت سے کھاتا تھا اس کو بہت دوست رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ فقرار کی ایک بڑی جماعت دستر خوان پر شریک تھی، حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ نے ہر فقیر کے ساتھ ایک ایک لقمہ کھایا، ایک فقیر کو دیکھا تو کہ روٹی شوربے میں بھگو کر کھا رہا ہے۔ فرمایا سبحان اللہ ان سب فقیروں میں یہ فقیر خوب کھانا جانتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نانِ تر کو اور کھانوں پر وہی فضیلت ہے جو فضیلت مجھ کو تمام انبیاد پر ہے۔ اور عائشہ کو تمام دُنیا کو عورتوں پر ہے شیخ کو بھی دولت کی کمی محسوس نہ ہوئی، مگر وہ خود اس سے ہمیشہ مستلغنی و بے نیاز رہے ایک روز خادم سے فرمایا کہ جاؤ جس صندوقچہ میں

پانچسزار دینار سُرخ رکھے ہیں، اس کو اُٹھالاؤ، خادم نے ہر چند تلاش کیا۔، مگر صندوقچہ کہیں نہ ملا، وہ مایوس ہو کر واپس آیا، اور شیخ کو اطلاع دی، کچھ تامل کے بعد فرمایا الحمدِ اللہ تھوڑی دیر کے بعد خادم پھر ایا اور صندوقچہ کے مل جانے کی اطلاع دی، پھر الحمد للہکی کر خاموش، ہوگئے۔ حاضرین نے عرض کی کہ حضرت نے صندوقچہ گم ہونے پر بھی الحمدللہ فرمایا اور لمحانے پر بھی، اس میں کیا حکمت تھی، ارشاد فرمایا، کہ فقیروں کے لئے دُنیا کا وجود اور عدم دونوں برابر ہیں، ان کو کسی چیز کے آنے پر نہ خوشی ہوتی ہے اور نہ اُس کے جانے کا غم ہوتا ہے، اور پانچوں ہزار دینار حاجت مندوں میں تقسیم کراوے۔

مزاج مین علم و بردباری بہت تھی، ایک روز کانقاہ میں تشریف فرماتھے کہ وتق پوش قلندروں کی ایک جماعت پہنچی، اور ان سے مالی مدد کی خواستگار ہوئی، انہوں نے اس جماعت سے بیزاری کا اظہار فرمایا۔ اس پر قلندروں نے گستاخی شروع کردی اور انیٹ پتھر سے ان کو مارنے لگے۔ حضرت شیخ نے خادم سے فرمایا کہ خانقاہ کا دروازہ بند کردو، جب درواذاہ بند ہوگیا تو قلندروں نے دروازہ پر پتھّر مارنے شروع کئے، حضرت شیخ نے کچھ تامل کے بعد خادم سے فرمایا، دروازہ کھول دو، میں اس جگہ شیخ شہاب الدین عمر سہر وردی قدس سرہٗ کا بٹھایا ہوا ہوں۔ خود سے نہیں بیٹھا ہوں۔ خادم نے دروازہ کھول دیا۔ اس وقت قلندر نادم ہوئے اور اپنے قصور کی معافی چاہی۔

غایت تواضع میں اپنی تعظیم و تکریم پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایک بار خانقاہ میں کچھ مرید حوض کے کنارے وضو کررہے تھے، حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ان کے پاس پہنچ گئے۔ مریدوں نے وضو ختم نہیں کیا تھا کہ تعظیم کے لئے کھڑے، ہوگئے، اور سلام عرض کیا، مگر ایک مرید نے وضو تمام کرکے مراسم تعظیم ادا کئے، حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا نے فرمایا، تم سب درویشوں میں افضل اور زاہد ہو۔

مگر وہ خود دوسروں کی بڑی تعظیم کرتے تھے، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا

کیؒ جب وار ہندوستان ہوئے اور ملتان آکر ٹھرے، حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا سے تعظیم و محبّت اور شفقت سے ملے، اور اصرار کر کے کچھ دنوں اُن کو ملتان میں قیام کرنے کع دعوت دی تو فرمایا کہ ملتان کی سرزمین پر شیخ بہاؤالدین کا قبضہ اور سایہ کافی ہے، یہاں ان ہی کا تعلق ہے، یہاں ان ہی کی حمایت تم لوگوں کے ساتھ رہے گی۔

حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا بابا گنج شکر کی بھی بہت عزّت کرتے تھے، بعض مذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ دونوں خالہ زاد بھائی بھی تھے اور باہم بڑی محبت اور مودّت تھی، حجرت شیک بہاؤالدین نے ایک موقع پر کسی بات کی معذرت کرتے ہوئے باباصاحب کو لکھا،

”میان ماوشما عشق بازی امت“

بابا گنج شکر نے اس کا جواب دیا۔

”میان ماوشما عِشقَ است بازی نیست“

ایک موقع پر حضرت جلال الدین تبریزی کے ساتھ حجرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ نے عزّت واحترام کا جو نمونہ پیش کیا تھا، اس کا ذکر بادہ تصّوف کے سرشاروں کے لئے بہت ہی خمار آگیں ہے۔ اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ نیشاپور میں حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ سے علیحٰدہ ہو کر خراسان چلے گئے تھے، کچھ عرصہ کے بعد دہلی تشریف لائے، سلطان التمش ان کی عظمت اور بزرگی کی شہرت پہلے سے سُن چکا تھا، چنانچہ جب وہ دہلی کے قریب پہنچے تو سلطان نے علماء و مشائخ کی ایک جماعت کے ساتھ شہر کے باہر جاکر ان کا استقبال کیا، اور ان کو دیکھتے ہی گھوڑے سے اُتر آیا اور ان کو آگے کر کے خود پیچھے شہر کی طرف روانہ ہوا، یہ تعظیم و تکریم شیخ الاسلام نجم الدین صنعری کو پسند نہ آئی، ان کے دِل میں حضرت جلال الدین تبریزیؒ کی طرف سے رشک وحد کی آگ بھڑک اُٹھی، مگر اس کا اظہار نہیں کیا۔ اور سلطان سے یہ خواہش ظاہر کی کہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ اس کی ریعنی نجم الدین صغری

قیامگاہ کے قریب ہی فروکش ہوں، اور قیام کے لئے ایک مکان تجویز کیا۔ جو بیت الجن کے نام سے مشہور تھا۔ سلطان نے اپنے عزیز اور محبوب مہمان کو جنوں کے مکان میں ٹھہرانا پسند نہ کیا، مگر نجم الدین صغری نے کہا اگر حضرت جلال الدین تبریزیؒ کامل درویش ہوں گے تو مکان خود جنّات سے پاک ہو جائے گا، اور اگر ناقص ہوں گے تو اپنی فریب اسی کی سزا پا جائیں گے۔ یہ گفتگو بالکل علیحدہ ہوئی تھی کہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ نے خود اس مکان میں رہنے کا اعلان کر دیا۔ جب وہ اس مکان میں داخل ہوئے تو ان کے قدم کی برکت سے مکان تمام بلیات سے پاک ہو گیا اور ان کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچا۔ دوسرے روز حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کی ملاقات کے لئے شہر کی تنگ گلیوں میں سے ہو کر چلے حضرت بختیار کاکیؒ کو کشف ہوا کہ حضرت جلال الدین تبریزی ان سے ملنے آ رہے ہیں، تو وہ خود گلیوں میں ہوتے ہوئے ان کے استقبال کو بڑھے۔ راستہ میں قران السعدین واقع ہوا، جس وقت حضرت خواجہ جلال الدین خواجہ بختیارؒ کے ہمراہ ان کی خانقاہ میں پہنچے اس وقت یہاں مجلس سماع ہو رہی تھی۔ فقرار جمع تھے، اس بیت پر خواجہ صاحب کو وجد آ گیا۔

در میکدۂ وحدت اشیار نمی گنجد　　　در عالم یکرنگی اغیار نمی گنجد

سلطان التمش حضرت جلال الدین تبریزی کے ساتھ مرشد کا یہ لگاؤ دیکھ کر ان کا اور بھی متعقد ہو گیا اس سے نجم الدین صغری کا حسد اور زیادہ بڑھا۔ ایک روز موسم بہار میں سلطان التمش نے فجر کی نماز سے پہلے نجم الدین صغری کو اپنے محل میں بُلایا۔ اور ان کو امام بنایا۔ نماز شاہی محل کی چھت پر ہوئی۔ چھت کے سامنے حضرت جلال الدین تبریزی کی قیامگاہ تھی۔ وہ صبح کی نماز سے فراغت کے بعد صحن خانہ میں چادر اوڑھے آرام فرما رہے تھے، اور ایک ملازم میں کو اللہ تعالیٰ نے حسن صورت بھی عطا کیا تھا، ان کے پاؤں دبا رہا تھا، نجم الدین کو خیال ہوا کہ حضرت جلال الدین تبریزیؒ نماز سے غافل ہو کر محو استراحت ہیں۔ اسی وقت

سلطان کا ہاتھ پکڑ کر کہا، کہ آپ ایسے ہی دُنیا پرست درویشوں کے متعقد ہیں۔ یہ سونے کا کون سا وقت ہے، اور ایک صاحبِ جمال غلام بھی پاس بیٹھا ہے حضرت جلال الدین تبریزیؒ کو نور باطن سے نجم الدین صغری کی بد گمانی معلوم ہو گئی۔ تو اسی وقت اُٹھے، اور صحن خانہ ہی میں سلطان کو حقیقت سے آگاہ کیا، سلطان نادم ہوا اور نجم الدین صغری سے کہنے لگا کہ تم شیخ الا سلام ہو کر ایسی باتیں کرتے ہو۔ تم کو نیک و بد کی بھی پہچان نہیں مگر نجم الدین صغری شرمندہ ہونے کی بجائے اندرونی طور پر اور زیادہ براہم ہو گئے، اور حضرت جلال الدین تبریزیؒ کے ساتھ پُرخاش بہت زیادہ بڑھ گئی اور شہر کی ایک حسین و جمیل مطربہ کو پانچ سو اشرفیاں دینے کا وعدہ کر کے آمادہ کیا کہ وہ حضرت جلال الدین تبریزی پر فسق و زنا کا الزام لگائے۔ مطربہ نے سلطان کے پاس جا کر حضرت جلال الدین تبریزیؒ کو متہم کیا، سلطان سُن خشدر ہو گیا، وہ سمجھتا تھا کی یہ جھوٹا الزام ہے۔ اور مطربہ کو اس کی دروغ گوئی کی پُوری سزا دے سکتا تھا۔ لیکن قانون کی وجہ سے معذور تھا۔ عیہ خود اپنے بیان سے واجب التعذیز فاحشہ ثابت ہو رہی تھی، مگر حضرت جلال الدین تبریزیؒ پر بغیر شہادت کے تہمت زنا ثابت نہیں، ہو سکتہ تھی۔ مدعیہ کا تنہا بیان کافی نہ تھا، لیکن اس کا مقدمہ سامے آجانے کے بعد اس کی شرعی تحقیقات بھی ضروری تھی، اس لئے سلطان نے مشورے کے بعد ایک محضر طلب کرنے کا فیصلہ کیا۔ محضر میں شرکت کے لئے ہندوستان کے مشاہیر، علما و مشائخ کو دعوت دی گئی، حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ نے بھی اس دعوت کو قبول کیا، اور دہلی تشریف لائے، اس محضر میں دو سو صرف اولیائے کرام شریک ہوئے۔ محضر مسجد میں منعقد ہوا۔

شیخ الاسلام نجم الدین صغری کو حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا، اور حضرت جلال الدین تبریزیؒ کی کشیدگی کا علم تھا، چنانچہ وہ ان دونوں کی اس کشیدگی اور ناراضی سے فائدہ اُٹھانا چاہتے تھے، شیخ الاسلام کی حیثیت سے انہوں نے شیخ بہاؤالدین زکریاؒ ہی کو حکم مقرر کیا۔

جمعہ کی نماز کے بعد مقدمہ کی کاروائی شروع ہوئی۔ مطربہ پیش کی گئی، حضرت

شیک جلال الدین تبریزیؒ کو بھی طلب کیا گیا، جس وقت وہ مسجد کے دروازے پر پہنچے، سارے علماء و اولیاء ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے، اور جب حضرت جلال الدین تبریزیؒ نے اپنی جُوتیاں اُتاریں تو شیخ بہاؤالدین زکریاؒ نے بڑھ کر ان کی جوتیاں اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔ سلطان التمش بہت متاثر ہوا کہ ایک صلبیل القدر حکمِ اپنے سامنے پیش ہونے والے ملزم کی ایسی توقیر و عظمت کر رہا ہے، جو حجرت جلال الدین تبریزی کے معصوم ہونے کی دلیل ہے۔ اور تحقیقات کی کاروائی روک دینی چاہی۔ مگر شیخ بہاؤالدین زکریاؒ نے فرمایا

" میرے لئے فخر کی بات ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے پاؤں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناؤں، کیونکہ وہ میرے مرشد شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کے ساتھ سات سال تک سفر و حضر میں رہے، لیکن شاید شیخ الاسلام نجم الدین کے دِل میں یہ خیال ہو کہ بہاؤالدین نے شیخ جلال الدین تبریزیؒ کی تعظیم کر کے ان کے عیب پر پردہ ڈال دیا ہے تو یہ اہل اللہ پر بخوبی روشن ہے کہ حضرت جلال الدینؒ سے ایسے فعل شیخ کا واقع ہونا محال ہے، لیکن پھر بھی دلائل مبیّنہ کا اظہار ضروری ہے۔ اس لئے مدعیہ مطربہ کو سامنے لاؤ۔

چنانچہ مطربہ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا کے سامنے لائی گئی، مگر اس پر ایسا رعب طاری ہو گیا کہ اس نے تہمت ثابت کرنے کے بجائے شروع سے آخت تک پُورا واقعہ بیان کر دیا۔ کہ نجم الدین صغری نے اس کو طمع دلا کر حضرت جلال الدین تبریزی پر الزام رکھے کے لئے آمادہ کیا تھا۔ اس سازش کے افشار پر نجم الدین صغری ایسے ذلیل اور پشیمان ہوئے، کہ مجلس ہی میں ان کو غش آگیا اور حضرت جلال الدین تبریزی کی معصومیت ثابت ہو گئی۔ سلطان التمش نے اس کذب و بہتان کی سزا میں نجم الدین صغری کو شیخ الاسلام کے عہدہ سے بر طرف کر کے حضرت بہاؤالدین ذکریا سے اس کے قبہل کرنے کی استدعا کی، انہوں نے قبول فرمایا اور ایک مدّت مدید تک شیخ الاسلام کا عہدہ ان کے خاندان میں جارہ رہا۔

حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کے صحیفۂ کمال میں جود و سخا کی بھی اعلٰی مثالیں ملتی

ہیں۔ایک بار ان کے معتقدوں اور مریدوں کا جہاز غرق ہو رہا تھا۔غایت اضطراب میں انہوں نے حضرت شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریاؒ سے روحانی استمداد کی، اللہ جل شانہ، کی قدرت سے وہ جہاز محفوظ رہ گیا۔ جہاز پر موتی ار جراہرات کے بڑے بڑے تاجر تھے، جب جہاز ساحل پر پہنچا تو ان تاجروں نے اپنے مال کا ایک ثلث حضرت شیک بہاؤالدین زکریا کی خدمت میں نذر کرنے کا عہد کیا اور ان کی جانب سے خوجہ فخرالدین گیلانی نقد و جواہرات لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، جواہرات کی قیمت اور نقد رقم ملا کر ستر لاکھ چاندی کے ٹنکے ہوئے تھے۔ شیخ نے اس کو قبول تو کر لیا، لیکن تین دن کے اندر یہ کل رقم حقداروں، محتاجوں اور مسکینوں میں تقسیم کرادی، خواجہ فخرالدین گیلانی اس سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے اسی وقت اپنا تمام مال اسباب فقرار میں بانٹ دیا۔اور فقیری اختیار کرلی۔ پانچ برس شیخ کی خدمت میں گذار کر بیت اللہ کے حج کو روانہ ہوئے۔ مگر جدّہ پہنچ کر جنتؔ کی راہ لی۔

سماع سے بھی کبھی کبھی شغل فرماتے تھے۔ایک مرتبہ عبداللہ رومی قوال ملتان ماءو ہوا، ار خدمت والی میں حاضر ہو کر عرض کی، کہ اس کا گانا حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی نے شوق کے ساتھ سُنا ہے۔اور وہ ان کی خدمت میں اکثر حاضر رہا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ جب شیخ الشیوخ نے سُنا ہے تو زکریا بھی سنے گا۔ چنانچہ قوال کو ایک خاص حجرہ میں بلایا گیا، عشاء کی نماز کے بعد ایک پھر رات گزری ہو گی کہ خود حجرہ میں تشریف لائے دو پارے کلام پاک تلاوت کر کے قوال کو سنانے کا حکم دیا، اور حجرے کے دروازہ میں زنجیر لگادی، قوال نے گانا شروع کیا۔

مستان کہ شراب ناب خورووند　　　از پہلوئے خود کباب خوروند

جب اس بیت کی حکمرار کی تو حضرت شیخ بہاؤالدین زکرایا وجہ مین کھڑے ہو گئے، اور حجرہ کا چراغ گل کر دیا، قوال کا بیان ہے کہ اس کو کچھ معلوم نہ ہوتا تھا، اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔

کہ شیخ کی کیا کیفیت ہو رہی ہے، صرف دامن معلوم ہوتا تھا، اور کچھ نظر نہ آتا تھا تھوڑے وقفہ کے بعد شیخ حجرہ سے تشریف لے گئے اور وہ (یعنی قوال) اپنے رفیقوں کے ساتھ حجرہ ہی میں رہا۔ جب صبح ہوئی تو شیخ نے غلوم کے ہاتھ خلفت اور بیس نقرئی ٹنکے بھجوادئے۔

عبادت و ریاضت میں کلام پاک کی تلاوت سے بڑا شغف رکھتے تھے۔ ایک بار اپنے خلفار کے ساتھ مجلس میں بیٹھے تھے کہ ان سے مخاطب ہو کر فرمایا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے، کہ دو رکعت نماز کی نیت باندھے اور ایک رکعت میں نماز کے درمیان کلام پاک ختم کرے۔ حاضرین میں سے کسی کی ہمت نہ ہوئی۔ پھر خود ہی نماز کے لئے کھڑے ہو گئے، اور دو رکعت نماز کی نیّت کر کے پہلی ہی رکعت میں پُورا کلام مجید ختم کر دیا۔ اور چار پارے اور پڑھے۔ دوسری رکعت میں سرہ اخلاص پڑھی۔ بارہا فرماتے تھے کہ اہل دل سے مجھ کو جو کچھ فیض پہنچا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو عمل مین لانے کی بھی توفیق عطا فرمائی ہے۔ اور جس کام کے لئے حوصلہ کیا، وہ پُورا ہوا، لیکن ایک کام اب تک نہیں ہو سکا۔ ایک بزرگ آغاز صبح سے طلوع آفتاب تک قرآن شریف ختم کر لیتے ہیں، میں نے بھی ہر چند اس کی کوشش کی، مگر یہ حوصلہ پُورا نہیں، ہو سکا، تین چار پارے باقی رہ جاتے ہیں، مگر سیر العارفین کے مولف کا بیان ہے کہ میں نے اپنے پیر دستگیر شیخ سماء الحق والدین سے سُنا تھا، کہ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کا معمول تھا کہ تہجد کی نماز کے بعد کلام پاک کا آغاز کرتے، اور فجر کی نماز کی سنتوں تک پُورا ختم کر لیتے تھے۔

وفات کے روز اپنے حجرہ میں عبادت میں مشغول تھے۔ کہ حجرہ کے باہر ایک نورانی چہرہ کے مقدّس بزرگ نروار ہوئے، اور حضرت شیخ صدرالدین کے ہاتھ میں ایک سر بمہر خط دیا۔ حضرت شیخ صدرالدین خط کا عنوان دیکھ کر متحیر ہوئے وہ خط اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں پیش کر کے باہر آئے تو قاصد کو نہ پایا۔ خط پڑھنے کے ساتھ ہی حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی اور آواز بلند ہوئی۔

" دوست بدوست رسیدہ "

یہ آواز سُنکر حضرت شیخ صدر الدین دوڑے ہوئے حجرے میں آگئے، تو دیکھا آواز حقیقت بن چکی تھی۔ سن وفات مین اختلاف ہے، اخبار الاخیار میں سال وفات 661ھ ہے، سفینتہ الاولیاء اور فرشتہ میں 666ھ اور مراۃ الاسرار میں 665 ھ ہے، سفینتہ الاولیا میں پیدائش کا سن 66ھ لکھاہے، اس لحاظ سے ان کی عمر سو سال سے زیادہ ہوتی ہے، مزار شریف ملتان میں ہے حضرت شیخ بہاؤالدین زکریار حمتہ اللہ علیہ کی نہ کسی تصیّف کا پتہ ہے، اور نہ ملفو عطات کا ذکر تذکروں میں ہے۔ مگر انہوں نے اپنے مریدوں کے لئے جو وصایا اور خطوط لکھے تھے ان کو اخبار الاخیار نے نقل کیا ہے، ان سے ان کی صوفیانہ تعلیمات پر روشنی پڑتی ہے، اس لئے ان کے اقتباسات بدیہ ناظرین کئے جاتے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ بندہ پر واجب ہے کہ سچائی اور اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، اور اس کے عبادت کرے، اور اس کے عبادت واز کار میں غیر اللہ کی نغمی ہو۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے احوال کو درست اور اقوال و افعال میں اپنے نفس کا محابہ کرے، ضرورت کے سوانہ کوئی بات کہے، اور نہ کوئی کام انجام دے۔ ہر قول و فعل سے پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ سے التجا کرے اور اس سے نیک عمل کی توفیق کی مدچاہے۔ دوسرے موقع پر اپنے مرید کو نصیحت فرماتے ہیں کہ تم اللہ تبارک و تعالیٰ کے ذکر کو اپنے اوپر لازم کرلو۔ ذکر ہی سے طالب محب تک پہنچاہے، محبّت ایسی آگ ہے، جو تمام میل کچیل کو جلاڈالتی ہے، جب محبت راسخ ہو جاتی ہے تو مذکور کے مشاہدہ کے ساتھ ذکر حقیقی ذکر ہو جاتا ہے۔

پھر فرماتے ہیں کہ مرید کو چاہئے کہ اپنے روزگار کی حفاظت کرتا رہے۔ سوائے اللہ کع دِل سے دُور کردے۔ دُنیا کے لوگوں کی صحبت کو اپنے اوپر حرام کرلے ار حق تعالیٰ کی عاد میں مشغول رہے۔ اگر اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے سیاحت نہ ہو گی تو خدائے تعالیٰ کی محبت کی بُو بھی وہ نہ سونگھ سکے گا۔

ایک نصحیت میں ارشاد فرمایا کہ بدن کی سلامتی قلتِ بعام میں اور روحُ کی سلامتی

حر ک گناہ میں ار دین کی سلامتی حضرت خیر ان نام صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے میں ہے۔
حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا مریدوں میں شیخ حسن افغان کو بہت ہی محبوب رکھتے تھے۔ گو آپ ان پڑھ تھے۔ مگر ان کا ظاہر و باطن روحانی تعلیم سے آراستہ تھا۔ ان کی بزرگی کا یہ حال تھا کہ ایک بار ایک کاغذ پر تین سطریں لکھ دی گئیں جن میں ایک کلام پاک کی آیت ھی، ایک حدیث شریف اور ایک میں کسی شیخ کا قول منقول تھا، یہ کاغذ دکھا کر شیخ حسن اتعان سے پُوچھا کیا کہ کونسی سطر میں کیا چیز ہے۔ شیخ حسن افغان نے قرآن مجید کی سطر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ یہ کلام ربانی ہے۔ اس کا نور مجھ کو زمین سے عرشِ معلےٰ تک نظر آرہا ہے۔ حدیث شریف کی سطر پر انگلی رکھ کر کہا یہ حدیث مقدس کی سطر ہے۔ اس کا نور ساتویں آسمان تک دکھائی دیتا ہے۔ پھر شیخ کے قول پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ اسکا نور زمین سے آسمان تک دیکھتا ہوں۔ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ اکثر فرماتے تھے کہ اگر قیامت کے دِن بارگاہ الٰہی میں مجھ سے پُوچھا جائیگا کہ ہماری بارگاہ مین کیا کمائی لایا ہے تو مین عرض کروگا کہ میری کمائی حسن افغان ہے۔

ڈاکٹر تنظیم الفردوس

حضرت جلال الدین میر سرخ بخاریؒ

صوفی اور تصوف کے معنی و مفاہیم میں اہلِ لغت و ماہرین اصطلاحات کو خواہ کتنے ہی اختلاف کیوں نہ ہوں اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ اہلِ تصوف ان پاک طینت نفوسِ قدسیہ کا گروہ ہے جو پہلے اپنے اور بعد ازاں دوسروں کے تزکیہ و تصفیہء باطنی کی کوششوں میں مصروف رہا کرتے ہیں۔ تصوف اور اہلِ تصوف کی تاریخ اگر ایک جانب اشاعتِ اسلام کی جانی والی ان ہستیوں کی مساعی کا تذکرہ بھی کرتی ہے۔

بنو عباس کے زمانے مین جب دارالحکومت بغداد ٹھہرا تو سندھ کی تہذیبی و ثقافتی ماحول میں گہما گہمی نمایاں ہونے لگی۔ اہلِ علم و ہنر کے ساتھ ساتھ صوفیانِ باصفا نے بھی اس خطے کا رخ کرنا شروع کیا۔ اور جب محمود غزنوی کے حملوں کے بعد ہندوستان میں مسلم آمد و رفت کا سلسلہ بڑھا تو یہ علمی و روحانی قافلے یہاں تیز رفتاری سے اپنا اثر قائم کرتے دکھائی دینے لگے یہاں تک کہ جب شہاب الدین غوری نے دہلی کو پایہ تخت قرار دے کر اسلامی سلطنت کی داغ بیل ڈالی تو یہ اجتماع اور ہمہ گیر ہو گیا۔ وسطی ایشیا اور مشرقِ وسطی سے اہلِ علم و دانش بڑی کثیر تعداد میں یہاں آ کر جمع ہونے لگے۔ اور اس طرح برصغیر پاک و ہند کے گوشے گوشے میں یہ پاک صفات لوگ پھیلتے چلے گئے کم و بیش یہی زمانہ تھا جب منگولوں نے وسطی ایشیا کو تاخت و تاراج کر کے تباہی مچا رکھی تھی۔ اس تباہ کاری کے زیرِ اثر بھی مختلف طبقوں سے متعلق افراد کثرت سے ہندوستان آ کر بسنے لگے۔ جن میں صوفیائے کرام کی بھی ایک بڑی تعداد تھی اور ان لوگوں نے اپنے حسنِ اخلاق و رواداری اور انسان دوستی کے ذریعے باشندگانِ ہند و سندھ کے دل موہ لیے۔

بقول پیر حسام الدین راشدی صاحب اسلامی تصوف کی تاریخ میں سندھ کو ہندوستان کے دیگر علاقوں پر فوقیت حاصل ہے۔ کیوں کہ ایک تو سرزمین سندھ نے بھی عین

اسی صدی میں صدائے اسلام پر لبیک کہا جب اہلِ عرب نے یہ انقلاب آفرین صدا سنی۔ دوسرے یہ کہ جس زمانے میں تصوف کی داغ بیل عرب میں پڑی اسی دور میں اس سرزمین میں بھی جلیل القدر بزرگوں نے اس منبع انسانیت (تصوف) کی پرورش شروع کر دی۔ تیسرے یہ کہ عراق و عرب و عجم سے جو بزرگ عالم، صوفی، صاحبِ کمال ہندوستان تشریف لاتا وہ سب سے پہلے سرزمین سندھ میں نموپذیر اثراتِ تصوف سے فیضیاب ہوئے بغیر اگلی منزلوں کی جانب قدم نہ بڑھاتا۔ اور کتنے ہی صاحبانِ کمال تو اس منزلِ اولین ہی کو اپنا مستقر بنا کے یہیں کے ہو کر رہ گئے۔

انہی عظیم المرتبت ہستیوں میں مخدوم سید جلال الدین سرخ بخاری خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ کیونکہ ایک جانب آپ شیخ شہاب الدین سہروردی کے معروف عقیدت مندوں میں نمایاں مقام رکھتے ہیں دوسری جانب بھکر کے معروف عالم اور صوفی بزرگ سید بدرالدین بھکری کے داماد ہیں اور تیسری جانب ہندوستان و ملتان کے مشہور بزرگ اور ہندوستان میں سلسلہ سہروردیہ کے بنیاد گزار حضرت شیخ بہاؤالدینؒ ملتانی کے مرید خاص تھے۔ نہ صرف مرید بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ان کے قریبی دوستوں میں شمار ہوتے تھے۔ اس عہد کے چار مشہور بزرگ چار یار کے نام سے ہندوستانی بزمِ معرفت میں جانے جاتے ہیں۔ یعنی حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ، شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ، سید عثمان مروندی لعل شہبازؒ اور سید جلال میر سرخ بخاریؒ۔

سید جلال الدین سرخ بخاریؒ نو واسطوں سے امام نقیؒ کے اولاد میں سے ہیں۔ آپ 598ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد سید علی المویدؒ بن جعفرؒ ایک نیک طینت اور صاحبِ باطن بزرگ تھے، میر سرخ بخاری نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم ہی سے حاصل کی تھی۔ بخارا اس زمانے میں مرکزِ علم و دانش تھا اور اطراف و اکناف سے طالبان علم یہاں تشریف لایا کرتے تھے، حضرت بہاالدین زکریا ملتانی بھی حصولِ علم کی خاطر بخارا تشریف لائے۔ تو اس عالی نسب گھرانے سے ملاقات ہوئی۔ سرخ بخاریؒ کے والد اس نوجوان طالبِ علم کے خصائل میں ولایت کے آثار دیکھ کر ان سے بہت قریب ہو گئے۔ جب بہاالدین زکریا واپس ملتان چلے

گئے تب بھی باہم محبت برقرار رہی۔ یہی وجہ ہے کہ جب مخدوم سید سرخ بخاری نے ترکِ وطن کیا تو کچھ عرصہ ایران میں قیام کر کے ہندوستان کا رخ کیا اور اسی دیرینہ عقیدت کی وجہ سے ملتان جا کر بہاالدین زکریا ملتانی سے بیعت کی۔ بخارا سے آپ نے ترکِ وطن کیوں کیا؟ اس بارے میں کئی اسباب بیان کیے جاتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر کی تاریخی صحت مشکوک ہے۔ قرینِ قیاس یہ ہے کہ 617ھ میں بخارا پر تاتاریوں کے حملے کے بعد پیدا ہونے والے انتشار اور دار و گیر نے آپ کو ترکِ وطن پر آمادہ کیا ہوگا۔

ہندوستان مین سب سے پہلا قیام آپ نے بھکر کے مقام پر کیا جو کہ سندھ میں مرکز علم و عرفان مانا جاتا تھا۔ مورخین کے مطابق آپ 635ھ میں بھکر آئے۔ بھکر میں آباد سادات کے گھرانوں میں سے ایک گھرانے کے نمایاں بزرگ سید بدر الدین بھکری تھے جن کی صاحبزادی سے آپ کا عقد ہوا۔ جس کے بعد آپ یہیں قیام پزیر ہوگئے۔ ایک روایت کے مطابق سید بدرالدین بھکری کو خواب میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی تھی کہ وہ اپنی صاحبزادی کا عقد سرخ بخاری سے کردیں یہی وجہ ہے کہ جب ان کی ایک صاحبزادی سیدہ فاطمہ آپ کی زوجیت میں فوت ہوگئیں تو سید بدرالدین بھکری نے اپنی دوسری صاحبزادی سیدہ زہرا کو بھی آپ کی زوجیت میں دے دیا۔ ان دونوں ازواج سے آپ کے تین صاحب زادے تولد ہوئے جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں: سید احمد کبیر (جن کے بیٹوں میں سے سید جلال الدین جہانیان جہاں گشت نے جہانِ معرفت کے علاوہ اس عہد کی سیاسی شخصیات میں بڑا نام کمایا)، سید بہاالدین اور سید محمد۔

"انساب جلالی" ۔نامی ایک قلمی کتاب میں آپ کے احوال تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔ اس کتاب کے مصنف سید صفی الدین ہیں جن کا تعلق خانوادہ بخاریہ سے ہی ہے۔ اگرچہ اس میں بیان کیے گئے بعض واقعات کی تصدیق تاریخی مآخذات سے نہیں ہو سکی لیکن مخدوم جلال سرخ بخاریؒ کے احوال و آثار پر قدیم ترین ماخذ ہونے کی بنا پر اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ "خطہ پاک اوچ" کے مصنف "۔انساب جلالی" کی روایت کی بنیاد پر لکھتے ہیں کہ بخارا میں کی جانے والی پہلی شادی سے آپ کے دو صاحبزادے سید علی اور سید جعفر تھے لیکن

وہ دونوں اپنے والد کی آمد سے قبل ہی ہندوستان آ گئے تھے، کچھ عرصے کے بعد جب ان کی کوئی خبر نہ ملی تو جلال الدین سرخ بخاریؒ ان کی تلاش میں آئے اور ہندوستان کا کونہ کونہ چھان مارا مگر کچھ خبر نہ پائی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ سید علی واپس بخارا چلے گئے تھے جب کہ سید جعفر قصبہ لاڑ یا اس کے قرب و جوار میں آباد ہو گئے تھے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ مگر یہ دونوں صاحبزادے اپنے والد سے نہ مل سکے۔

صاحبِ ''خزینتہ الاولیا'' نے آپ کے ان پانچوں صاحب زادوں کے ذکر میں لکھا ہے کہ سرخ بخاری کے '' یہ۔ پانچوں فرزند اسلام کی پانچ بنیادوں کی طرح تھے: ولایت، شرافت اور خوارق و کرامات میں شہرت رکھتے تھے۔'' مخدوم سرخ بخاریؒ کی اولاد میں خدا نے بڑی کثرت اور برکت عطا فرمائی۔ جو بعد ازاں پورے ہندوستان کے دور دراز علاقوں تک پہنچے اور جن کی بدولت ساداتِ بخاریہ کی شاخیں ہندوستان بھر میں قائم ہوئیں۔

بھکر میں قیام کے عرصے میں ہی آپ نے ملتان جا کر حضرت بہاالدین زکریا ملتانیؒ سے بیعت کی اور طویل مجاہدوں وریاضتوں کے بعد خرقہ خلافت حاصل کیا۔ جس کا ذکر '' اخبار الاخیار'' میں بھی ہے۔ بھکر کو آپ نے اپنا مستقل وطن ہی مانا لیکن بعض اقارب و خویش کی بد باطنی کا اندازہ ہوا تو آپ نے ترکِ سکونت کا فیصلہ کیا۔ پنجاب کے مختلف علاقوں سے ہوتے ہوئے آپ اوچ پہنچے۔ ''تاریخ فرشتہ'' میں آپ کے ملتان میں قیام کا ذکر اور واقعات کی تفصیل بھی درج ہے جب کہ '' خزینتہ الاصفیا'' میں لکھا ہے کہ آپ ہزاروں لوگوں کو راہِ ہدایت پر لائے اور شہر جھنگ سیالاں کی (جو پنجاب کا مشہور ضلع ہے) بنیاد بھی رکھی۔

جس دور میں آپ اوچ تشریف لائے اس زمانے میں چولستان کا علاقہ ہندو حکمرانوں کے زیرِ نگیں تھا جبکہ ڈیرہ، بھاگلہ اور جیسلمیر کے علاقے راجپوتوں کے تصرف میں تھے۔ یہ تمام حکمران ظالم و جابر تھے خصوصاً مسلمانوں کے ساتھ ان کا رویہ شدید دلآزارانہ ہوا کرتا تھا۔ لیکن سید جلال سرخ بخاریؒ کی عملی کوششوں اور ایمانی و روحانی طاقتوں نے جلد ہی یہاں کے رہنے والے عام لوگوں کے قلب و ذہن بدل ڈالے۔ عوام کے ساتھ ساتھ حکمران بھی ان نگہِ اثر انگیز سے نہ بچ سکے یہاں تک کہ ان میں سے کچھ کی اولادیں آگے چل کر راہِ

تصوف کے بڑے کار فرما قرار پائے۔ مثلاً بیان کیا جاتا ہے کہ چن پیر یا چنن پیر نامی بزرگ دراصل جیسلمیر کے راجکمار تھے۔

مسعود حسن شہاب لکھتے ہیں کہ اوچ میں حضرت سید لال الدین سرخ بخاریؒ نے خانقاہِ بخاریہ کی بنیاد رکھی جہاں علمی و روحانی استفادہ کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا اور خلقِ خدا اس کثرت سے آپ سے فیضیاب ہونے کی خواہش مند ہوئی کہ قصبہ اوچ کے جس حصے میں آپ قیام پذیر ہوئے وہ ''اوچ بخاری'' کے نام سے دور و نزدیک مشہور ہو گیا۔ اگرچہ اوچ میں خانوادہء گیلانیہ اور خانوادہ گارزونیہ کے جلیل القدر سلاسل کے آثار آج بھی موجود ہیں لیکن خطہ اوچ کو آج بھی اصل شہرت اور مقبولیت سلسلہ جلالیہ بخاریہ و سہروردیہ کی بنا پر ہی حاصل ہے۔

''سفینتہ الاولیا'' میں جلال الدین میر سرخ بخاری کی بزرگی و عظمت کا بیان اس انداز سے کیا گیا ہے ''از بزرگانِ صحیح است، جلیل القدر و جامع علوم ظاہری و باطنی بودند'' ۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ علوم ظاہری و باطنی کی فراوانی نے آپ کو اعلیٰ درجے کی صفات کا حامل بنادیا تھا۔ عزم و استقلال، راست بازی و شجاعت، ادب و اخلاق اور غیرت و حمیت میں آپ کا رتبہ بڑا بلند پایہ تھا۔ بنی نوع انسان سے محبت، ہمدردی اور دل سوزی کو آپ لازمہ انسانیت جانتے اور اس کا اظہار کرتے تھے۔ اسلام کے سچے پیرو، حد درجے کے دین دار، پابندِ شرع، زاہد و عابدِ بے ریا تھے۔ نمود و نمائش اور ظاہر پرستی سے نفرت ظاہر کرتے اور روزمرہ کی زندگی میں سادگی اختیار کرتے تھے۔ قناعت و توکل ان کا مزاج اور حلم و بردباری ان کی عادت تھی۔ کم سخنی کے باوجود لوگوں سے خندہ پیشانی سے ملتے اور عاجزی سے گفتگو کرتے تھے۔ ملنساری کی یہی عادت لوگوں کو ہمیشہ کے لیے ان کا گرویدہ کر لیا کرتی تھی۔ المختصر آپ صوفی صاف باطن، لذاتِ عشق الہیٰ کے چاشنی چکھنے والے، واقفِ اسرار و رموزِ معرفت کے بھید جاننے والے تھے۔

تذکارِ صوفیا پر مبنی مختلف کتابوں میں آپ کی کرامات و خوارق عادات کا بیان بھی تفصیل سے ملتا ہے۔ خود آپ کے پوتے جلیل القدر بزرگ مخدوم جلال الدین جہانیاں جہاں

گشت کے ملفوضات میں بھی یہ تفاصیل موجود ہیں۔ لیکن اولاً آپ کے کشف و کرامات کی تفصیلات اتنی زیادہ ہیں کہ ایک مختصر مضمون میں ان کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ دوسرے یہ کہ عہدِ حاضر میں کشف و کرامات کے بجائے آپ کی شخصیت کے علمی، عملی اور فکری پہلو اجاگر کرنا زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ آج کے بے چین اور مضطرب انسانوں کے لیے فکری اور روحانی اعتبار سے بھی آپ کا استحکامِ کردار زیادہ مثالی ہے۔ جس کی بنا پر آپ نے دشوار گزار راستوں، مخالفین کی کثرت اور خواہشِ نفسانی جیسی دشواریوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ ایک بے مثال کردار کا مظاہرہ کر کے آپ اپنا نام تاریخ تصوف میں اُن نفوسِ قدسیہ کے ساتھ لکھوانے میں کامیاب ہوئے جن کے روحانی تصرفات سے خلقِ خدا آج تک فیض یاب ہو رہی ہے۔

95 برس کی عمر میں 19 جمادی الاول 690ھ بمطابق 20 مئی 1291ع کو آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اس زمانے مین اوچ ایک بڑا قصبہ تھا اور جلال الدین میر سرخ بخاریؒ موجودہ اوچ سے چھے کوس کے فاصلے پر چناب رسولپور میں فروکش تھے لہذا وہیں آپ کی تدفین ہوئی۔ لیکن کچھ وقت گزرنے کے بعد دریا کی طغیانی کے سبب آپ کا جسدِ پاک سیونگ بیلا منتقل کر دیا گیا۔ بعد میں وہاں بھی طغیانی آگئی تو آپ کے مایہ ناز پوتے حضرت صدرالدین راجن قتال کے مزار سے متصل آپ کی تدفین کی گئی۔ لیکن 1026 ھ مطابق 1617ع میں آپ کو موجودہ مقام پر منتقل کر دیا گیا جہاں 1845ع میں نواب بہاول خان ثالث نے آپ کا نہایت پائیدار اور خوبصورت مقبرہ تعمیر کروایا۔ چند برسوں کے بعد 1300ھ بمطابق 1883ع میں نواب صادق خان رابع نے اس مزار کی مرمت، وسعت اور خوبصورتی کا مزید اہتمام کیا۔ یہ مزار آج بھی اوچ میں موجود ہے اور مرجع خلائق ہے۔

سید عبدالقادر ٹھٹوی

شاہ باز آشیانۂ قرب خداوندی

یعنی عثمان شاہ باز مروندی

فارسی شاعری

شاہ بازِ نشیمنِ لاھوت　　شاہِ اورنگِ خطہ ملکوت
اھلِ دل عارفِ معارفِ حق　　صاحبِ وجد و تارکِ مطلق
شاہ عثمان شاہ باز لقب　　اشرف الذّات ھم شریف نسب
بحرِ عرفان کنوزِ دانائی　　مہر ایقان چراغِ بینائی
مست خم خانۂ محبت شوق　　بلبلِ گلستانِ عالمِ ذوق
صاحبِ حال و کامل ابدال　　محرمِ خلوتِ حریمِ وصال
حبذا روضہ اش بہ سیوستان　　عطر افزا چو روضۂ رضواں
فیض افزای گنبدی پُر نور　　چون حبابی ز چشمۂ کافور
بلک خود باغبان صنعِ ازل　　چیدہ آورد از ریاضِ عمل

گل صد برگ تازہ تراز جاں　　کش نسازد زبون دستِ خزاں
گنبدی نہ کہ روضہ ای ز بہشت　　مشک باآب و طینتش بسرشت
خاکِ آن آستانِ قبلہ نشاں　　سرمۂ بینشِ عیونِ شہاں
فیض فایض زبام ودر بارش　　نور رخشاں زچار دیوارش
شب چواجرام دروی افروزاں　　شمع و قندیل و مشعلِ تاباں
زائرانِ حریمِ حرمتِ اُو　　میر سد فوج فوج ازہر سُو
فرقہ فرقہ بہم دران موطن　　بر مثالِ ستار گانِ پرن

دہداز جو د قلزمِ عمّاں ... سائلاں راپُر از گہر دامان
ہر کسی رابو قفِ خواھشِ دل ... گشتہ بے شبہ مدّعا حاصل
ھر کہ باغم ھمِ آشیانہ بود ... خستہ دشتہ زمانہ بود
چون زاخلاص می نہد قدمی ... اندراں پاک محترم حرمی
یابد از غم نجات رفیروزی ... سودش راحت وفرح روزی
آستانش کہ ھست خلد مثال ... ھست محطِّ قوافلِ ابدال
برداز خوانِ جودِ از کم وبیش ... ہر کسی درخورِ عقیدہ خویش
ہست دربارِ اوچو قلزمِ ژرف ... ہر کسی راست بہرہ درخور ظرف
کس نگشت از نوالِ شاں محروم ... بردالبتہ حصہ مقسوم
تاقیامت وچنین بو روشن ... شمع تابانِ اوبوجہِ حسن
نہ پذیرد زصرصرِ دوراں ... انطفائی بہیچ وقت اوآن
فیض دربار اوبا استقلال ... ہمچنین بودو، ہم بودلازال
ومہدم رحمت خداوندی ... باد برروحِ مروندی

ترجمہ: شاہ عثمان (قلندر لعل شہباز) مروندی، شہباز لقب، ذات اشرف اور پاک نسب ہیں۔ لاہوت کے مقیم شہباز، ملا کوتی ملک کے بادشاہ ہیں اہل دل اور حق کے صاحب معرفت ہیں، صاحب وجد اور تارک الدنیا ہیں بحر عرفان خزینہ دانائی بدر منیر اور چراغ دید ہیں۔ شراب محبت وشوق سے سرشار ہیں۔ عالم ذوق کے گلستان کے بلبل صاحب حال، کامل ابدال اور وصال حرم کے رازداں ہیں سہون میں ان کا خوبصورت روضہ ہے بہشت کی طرح عطرافزا ہے۔ چشمہ کافور کی طرح ان کا منور گنبد فیض رساں ہے۔

وہ باغ ازل کے مالی ہیں اور باغ عمل سے پھول چن کر آئے ہیں۔ وہ پھول سانسوں

سے زیادہ تر و تازہ ہیں۔ خزاں کا تو وہاں سے گزر ہی نہیں۔ آپ کا گنبد پاک جنت کے مانند ہے وہاں کا پانی مشک کی طرح خوشبودار ہے آپ کے آستانے کی خاک شہنشاہ کی آنکھ کا سرمہ ہے آپ کے دربار کا فیض اور نور چاروں طرف پھیلا ہوا ہے۔ آپ خانقاہ کی رات بھی فیض اور نور کے سبب چراغوں، ستاروں اور قندیلوں سے روشن ہے۔ آپ کی متبرک خانقاہ کی زیارت کے لیے ہر طرف سے لوگ جوق در جوق آتے رہتے ہیں۔ آپ کا فیض اور برکت بحر بیکراں ہے یہاں سے سوالی خالی نہیں جاتے۔ سوالی کے دل کی تڑپ اور حسب منشا مطلب پورا ہوتا ہے۔ جو کوئی غم سے آشنا ہے اور زمانے کے دکھوں کا ستایا ہوا ہے جب وہ غمگیں خلوص عقیدت سے خانقاہ میں قدم رکھتا ہے تو اسی وقت اس کو غم سے نجات مل جاتی ہے۔ کامیابی اور سرور حاصل کرتا ہے۔ آپ کی درگاہ مثل فرحت گاہ ہے ہر سائل اپنے ژرف اور ظمیر، عقیدے اور محبت کے مطابق ان کے دستر خوان سے اپنا نصیب اور حصہ حاصل کرتا ہے۔ آپ کی خانقاہ بحر عمیق کی طرح ہے جہاں سے ہر کوئی اپنے ظرف کے مطابق حصہ لیتا ہے کوئی بھی شخص ان کی سخاوت سے ناامید نہیں ہوا اور اپنے نصیب کا حصہ حاصل کیا۔ قیامت تک آپ کے فیض کا چراغ روشن رہے گا۔ وقت کا تیز طوفان اسے کبھی بجھا نہ سکے گا۔ آپ کا فیض دائمی ہے اور تاابد جاری رہے گا رحمت خداوندی شاہ عثمان مروندی کی روح پر ہمیشہ برستی رہے۔

قلندر شہباز کی غزلوں کا منظوم اردو ترجمہ

رئیس امروہوی

رسیدم من بہ دریائی کہ موجش آدمی خوار است

میں تو اُس دریا کا مانجھی ہوں کہ مردم خوار ہے
اور وہ دریا ہے بے کشتی عجب اسرار ہے
ہے شریعت اس کی کشتی اور طریقت بادباں
ہے حقیقت اُس کا لنگر اپنا بیڑا پار ہے
مثلِ آتش جملہ خوں دیکھا تو دریا سے ڈرا
پر گذرنا ہے ضروری آدمی ناچار ہے
حضرتِ حق سے صدا آئی کہ کیوں ڈرتا ہے تو
جانِ مشتاقاں اسی دریا میں آتش بار ہے
عرض کی میں نے کمر بستہ ہوں مانجھی کی طرح
کیوں نہنگوں سے ڈروں جب گل قرین خار ہے
بات اے عثمانِ مروندی فقط یاروں سے کر
یار دنیا میں کہاں ہیں مجمعِ اغیار ہے

ز عشقِ دوست ہر ساعت درونِ نار می رقصم

میں عشقِ دوست میں ہر دم دُرونِ نار رقصاں ہوں
کبھی بَر خاک رقصاں ہوں کبھی بردار رقصاں ہوں
ہوا بدنام اس کے عشقِ صادق میں تو اے زاہد
ڈروں کیوں؟ کیسی رسوائی؟ بہر بازار رقصاں ہوں
اُٹھ اے ساقی اُٹھ اے مطرب! سماع و شوق پیدا کر
کہ میں تو عیشِ و صلت سے قلندر وار رقصاں ہوں
اگر صوفی ہی بننا ہے تو لاخرقہ پہن دیکھیں
خوشا زنار باندھوں اور پئے دیدار رقصاں ہوں
یہ خلقت مجھ سے کہتی ہے کہ رقصاں کیوں ہے تو آخر
بہت اسرار ہیں دل میں پئے اسرار رقصاں ہوں
خلائق لاکھ طعنہ زن ہو کچھ پروا نہیں مجھ کو
مجھے تو ناز ہے اس پر کہ پیشِ یار رقصاں ہوں
میں ہوں عثمان مروندی کہ یارِ خواجہ منصورم
نہیں پروا ملامت کی کہ پیشِ یار رقصاں ہوں

من آں ذرّم کہ در بحر جلال اللہ بوداستم

میں وہ ذرہ ہوں کہ جو بحر جلال اللہ میں بھی تھا
فرازِ طور دامانِ کلیم اللہ میں بھی تھا
کبھی دریا پہ زندہ تھا کبھی تھا خضر کا ساتھی
حقیقت ہے کہ اسکندر کے لشکر گاہ میں بھی تھا
بہ اسماعیل پیغمبر بہ ابراہیم بن آذر
عزیزو! وقتِ قربانی میں قربان گاہ میں بھی تھا
کبھی ہوں تخت پر گریاں کبھی ہوں دار پر قرباں
کبھی ترسا کے مذہب کے رسوم و راہ میں بھی تھا
کُہن جامے کئے کتنے لباسِ فقر جب پہنا
جو اک بُرجِ گرامی ہے تو اس درگاہ میں بھی تھا
سُنو عشّاقِ مروندی، یہ کیوں مستی و مدہوشی
کہ اِس مستی و مدہوشی کی عظمت گاہ میں بھی تھا

کمندِ عشق گردن مرا مسُرور خوش آید

کمندِ عشق گردن میں مری مضبوط خوشتر ہے
خم و خمار و مخموری ہمیشہ میرا جوہر ہے
جلالی اک تجلّی تھی کہ موسیٰ ہوگئے بے خود
یہ دیکھو طور پر کارِ جلالی جلوہ پرور ہے
ادھر آ اے جواں، اس بزم میں ہر راز تو کہدے
شہنشاہوں کی محفل میں ہر اک مذکور بہتر ہے
قلندر اور ہوں شہباز میں کیا آشیاں میرا
جہاں جاؤں وہاں نورِ حقیقی میرے سر پر ہے

ز غم خواری غم غم غم غریبم

ہے غم، غم خوارئ غم ہی کا ساماں
بجز غم کچھ نہیں ہے غم کا درماں
نہیں جُز غم، غریبوں کا کچھ امکاں
غریبی اور غربت اور حرماں
نہیں اب دل میں غم جُز کربِ جاناں
غم اُس کا ہے جہاں میں راحتِ جاں
نہیں ہے بے غمی کی تاب مجھ میں
کہ غم میرے لئے ہے فضلِ یزداں
بجز غم خوارئ عشق اور کیا ہے
یہی تفریحِ خاطر کا ہے ساماں
ترا غم روح کو رکھتا ہے تازہ
یہی ہے دردِ محرومی کا درماں
دل و جاں ہاردے مانندِ عثماں
کہ اس کا غم ہے میرا دین و ایماں

براہِ عاشقی غم بار باید

رہِ الفت میں غم باری ہے بہتر
رُخِ زرد اور بیماری ہے بہتر
نہ ہو اس کے علاوہ فکر کوئی
غمِ جاناں کی دشواری ہے بہتر
مشقّت اور خواری سے ہو الفت
فغاں و نالہ و زاری ہے بہتر
جہاں کی لذّتوں کو ترک کردے
دل و دیدہ سے خونباری ہے بہتر
غمِ الفت سے تن بیمار تر ہو
اِسی غم سے دل افگاری ہے بہتر
اٹھو عثمان گر ہے خواہش وصل
بس ان کی ناز برادری ہے بہتر

چہ بندی دل دریں نابود آخر

کہاں تک فکر ہست و بود آخر؟
کہ ہے آسودگی مفقود آخر
ترے غم کے سوا کچھ بھی نہیں ہے
یہی ملتا ہے دیر و زور آخر
دلِ عاشق نہیں دنیا سے لگتا
جو لگتا ہے تو ہے مردود آخر
یہ دنیا جائے عیشِ کافراں ہے
نہ تو اس کو بنا معبود آخر
اگر دنیا فقط گنجِ گراں ہو
تو ہے یہ گنج زہر آلود آخر
تو اے مرد خدا دل مت لگانا
اسی سے ہوگا تو خوشنود آخر
فدا کر راہِ جاناں میں تن وجاں
رہائی اس سے ہوگی زود آخر
نہ ہو تو اِس جہاں سے بے غم اے دل
نظر اُٹھی تو لب مفقود آخر
اُٹھ اے عثمان، نہ دل دنیا میں اُلجھا
اِسی میں ہے تری بہبود آخر

نمی بینی نمی دانی چہ می ورزی چہ داری

یہ غفلت اور نادانی، یہ سب کیا ہے یہ سب کیا ہے؟
نہ تونے بات پہچانی، یہ سب کیا ہے یہ سب کیا ہے؟
تو مرغِ لا مکانی ہے، پھنسا ہے دار فانی میں
تو ناداں ہے ز نادانی، یہ سب کیا ہے یہ سب کیا ہے؟
ستم خود پر بھلا کب تک؟ گہر لیکر خزف چُن کر
نہ تونے بات یہ مانی، یہ سب کیا ہے یہ سب کیا ہے؟
یہ ممکن ہے دو عالم کو خریدیں ایک لمحے میں
ہو قیمت کی بھی ارزانی، یہ سب کیا ہے یہ سب کیا ہے؟
غرور اس دارفانی پر کہ یہ آخر فنا ہوگی
یہاں ہر چیز ہے فانی یہ سب کیا ہے یہ سب کیا ہے؟
نہ کر ناز ایسی بازی پر کہ یہ ہے شعبدہ بازی
یہ سب ہے فتنہ سامانی، یہ سب کیا ہے یہ سب کیا ہے؟
اگر ترکِ جہاں کر لے، تو پھر سلطانِ عالم ہو
میسر ہو جہاں بانی، یہ سب کیا ہے یہ سب کیا ہے؟
سُن اے عثمان مروندی اجل سے قبل ہی مرجا
کہ تو بن جائے لافانی، یہ سب کیا ہے یہ سب کیا ہے؟

آں شاہ ہر دو عالم عربی محمدؐ است

وہ شاہ ہر دو عالم عربی ہے محمدؐ
مقصود ذاتِ آدم عربی ہے محمدؐ
پشت و پناہ خلق زمانہ ہے اسکی ذات
شہنشاہِ مکرم عربی ہے محمدؐ
کیا ہم کو خوف جرم وہ شافع ہے حشر میں
وہ پیشوائے عالم عربی ہے محمدؐ
کیا ہم کو غم کہ انجمن کائنات میں
درمان دَرد و صد غم عربی ہے محمدؐ
یہ خوش نصیبیاں ہیں کہ امّت میں اسکی ہوں
مطلوبِ جانِ عالم عربی ہے محمدؐ
ختم الرسل چراغِ رہِ دین دنورِ حق
وہ رحمتِ دو عالم عربی ہے محمدؐ
وہ سرور حقائق عالم وہ رہ نما
وہ صدرِ بدرِ عالم عربی ہے محمدؐ
وہ کعبۂ علوم و معارف حبیب حق
وہ شاہِ دین پناہم عربی ہے محمدؐ
خضر نجات وجہ شفاعت ہے دہر میں
شہنشاہ معظم عربی ہے محمدؐ
عثمان ہے غلامِ نبی دیارِ چار یار
وہ حاصل مکارم عربی ہے محمدؐ

اے شاہ شاہ شاہ بقا با گدا نما

اے شاہ شاہ شاہ بقا اِس گدا کو دے
اے ماہ ماہ ماہ وفا اِس گدا کو دے
کیا محنت فراق کا تجھ سے بیاں کروں؟
ہو شربتِ و صال عطا اِس گدا کو دے
درد اب سوا ہے حد سے بتاؤ کہ کیا کروں؟
ہاں مرہم وصالِ شفا اس گدا کو دے
میں ہوں گدائے کوچہ ، توجہ گدا پہ کر
اے شاہ کچھ بطور سخا اس گدا کو دے
تیرا حضور و غیب ہے اس کائنات میں
انوار ذات و عز ہ علا اِس گدا کو دے
عثمان ہمیشہ تجھ سے کرے ہے تجھے طلب
اپنا جمال ماہ لقا اس گدا کو دے

گر خدا را دوست داری خامشی باید گزید

گر ہے حق سے دوستداری خامشی درکار ہے
باوجود آہ وزاری خامشی درکار ہے
جب زباں کی بند دل غنچے کی صورت کھل گیا
مثل گلہائے بہاری خامشی درکار ہے
خامشی کندن بنادے گی ترے کردار کو
کر اُسی جاناں سے یاری خامشی درکار ہے
تو حضور دوست رکھ اپنے کو دائم دہر میں
ہے یہی بس حق سپاری خامشی درکار ہے
تو زمین دِل میں اپنے تخم ذوق و شوق بُو
اشک سے کر آبیاری خامشی درکار ہے
گفتگو بادِ خزاں ہے اس سے لازم اجتناب
خامشی بادِ بہاری خامشی درکار ہے
باغباں کی طرح تو ہو پاسبانِ باغِ دل
تاکجا غفلت شعاری خامشی درکار ہے
ہے دلِ عثمان کو بس وصلِ جاناں کی طلب
روز و شب ہے آہ و زاری خامشی درکار ہے


محکمہ ثقافت، حکومت سندھ